شبلی نعمانی

اسلام کی عالمگیر خدمات

بساطِ ادب
ادبی مارکیٹ
چوک انارکلی
لاہور ۲
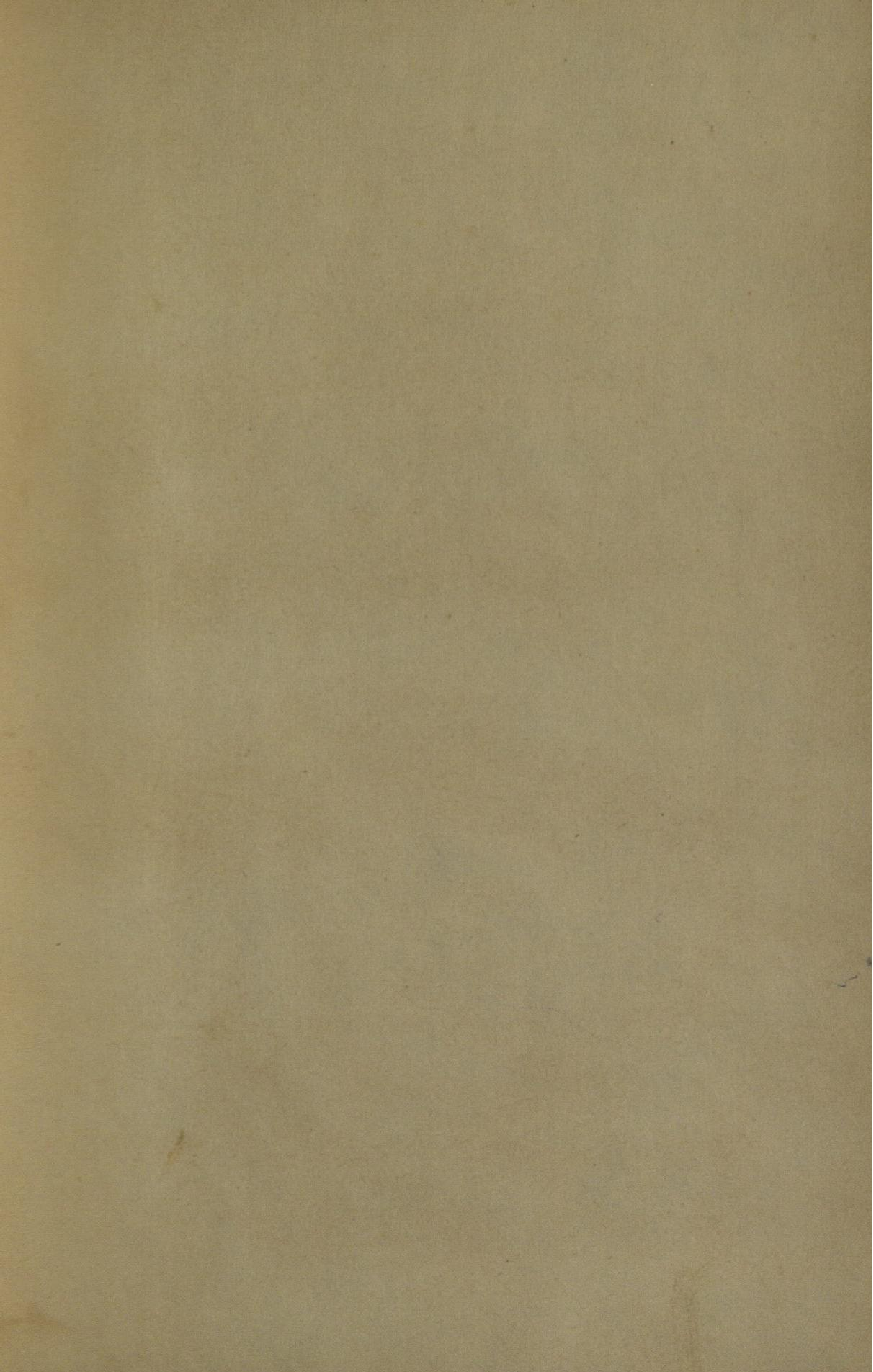
اسلام

کی

عالمگیر خدمات

علامہ شبلی نعمانی

ذوالفقار برادرز۔ ۱۹۹ سرکلر روڈ۔ لاہور

قیمت ــــ ۲/۵۰

پنجاب پریس لاہور سے ذوالفقار احمد نے
طبع کرا کر شائع کیا

مُسلمانوں کو آج کل غیر قوموں سے جو اجتناب ہے اور جس کی وجہ سے وہ دنیا کے تمام علوم و فنون سے محروم ہیں۔ اس کے لحاظ سے حقیقت میں مشکل سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے کسی زمانے میں غیر زبانوں سے کچھ فائدہ اٹھایا ہوگا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ عہد وسطیٰ میں مسلمانوں نے دنیا کی تمام قوموں کا علمی سرمایہ اپنی زبان میں منتقل کر لیا تھا۔ اگر دنیا میں مسلمانوں کا قدم نہ آتا تو یونان، مصر، ہند، فارس کے تمام علمی ذخیرے آج برباد ہو چکے ہوتے۔ چونکہ اس واقعہ سے یورپ کو بھی انکار نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے عیسائی مورخوں نے اس امر کی نسبت بہت بحثیں کی ہیں کہ مسلمانوں نے کسی زمانے میں غیر زبانوں پر اس قدر کیوں توجہ کی تھی؟ اورینٹیل کانفرنس میں ایک فرنچ مضمون نگار نے اس بحث پر ایک آرٹیکل پیش کیا تھا۔ نوفل آفندی نے جو بیروت کا ایک عیسائی مورخ ہے۔ جس نے مسلمانوں کی تہذیب و تمدن پر **صناجۃ الطرب** نام ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ مسلمانوں کے علمی ترقی کے ذکر میں لکھتا ہے کہ

"یہ امر نہایت تعجب انگیز ہے کہ **اہل عرب** جو ہر قدم پر تہذیب و تمدن کو برباد

کرتے جاتے تھے، جنھوں نے حضرت عمرؓ کے اشارے سے اسکندریہ کے کتب خانہ کو برباد کیا۔ جنھوں نے حضرت عثمانؓ کے حکم سے فارس کے علوم و فنون تباہ کر دیے۔ جن کے علمِ فتح کے قبضے ہوتے ہی انطاکیہ و بیروت کے مدرسے فنا ہو گئے۔ جنھوں نے سنہ ۱۰۱ھ میں دمشق کا کالج برباد کر دیا۔ جنھوں نے مصر کی مشہور یادگاروں اہرام اور ابوالہول کو مٹا دینا چاہا۔ ان کو غیر قوموں کے علوم و فنون پر کیوں کر توجہ ہوئی؟ مصنف مذکور اس عقدہ کو اس طرح حل کرتا ہے کہ اہلِ عرب زمانۂ جاہلیت سے نجوم اور پیشین گوئیوں کے معتقد تھے۔ خلفاء کے دربار میں جو عیسائی اور یہودی طبیب ملازم تھے انھوں نے خلفاء کو یہ یقین دلایا کہ اگر یونان وغیرہ کی کتابیں ترجمہ ہو جائیں تو علمِ نجوم کے ذریعے سے بہت سی باتیں جو پردۂ غیب میں ہیں معلوم ہو جائیں گی۔ یہ شوق تھا جس نے اہلِ عرب کو غیر زبانوں کے ترجمہ پر مائل کیا۔

اس موقع پر ہم مورّخ مذکور کی ان بیہم افتراؤں سے بحث نہیں کرتے جس کا اُس نے اس موقع پر مینہ برسا دیا ہے۔ البتہ اصل مسئلہ غور کے قابل ہے اور ہم اس کے متعلق کسی قدر تفصیل سے لکھنا چاہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے موجودہ تعصب اور تنگ حوصلگی سے اس قسم کے قیاسات پیدا کرنے بعید نہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مسلمان جب مسلمان تھے تو انھوں نے کبھی غیر قوموں اور غیر زبانوں سے کسی قسم کا تعصب نہیں ظاہر کیا۔ اور اول تو کیا ذکر ہے خود شارع علیہ السلام نے غیر قوموں کی بہت سی باتیں پسند فرمائیں اور اختیار کیں۔ جنگِ احزاب میں حضرت سلمانؓ فارسی نے جب ایران کے طریقہ کے موافق خندق کھودنے اور طائف کے محاصرہ میں منجنیق استعمال کرنے کا مشورہ دیا تو آنحضرت صلعم نے بے تکلف منظور فرمایا۔

اور اس پر عمل کیا۔ ملکی انتظامات میں بھی آپ نے غیر قوموں کے اصول و آئین پسند فرمائے اور اختیار کیے۔ شاہ ولی اللہ صاحب جن سے بڑھ کر محدث اور اسرار شریعت کا نکتہ شناس کون ہوگا۔ تحریر فرماتے ہیں "وکان قباط وابنہ نوشیرواں وضعا علیھم الخراج والعشر فجاء الشرع منحوًا من ذلک"[1] یعنی قباد اور اس کے بیٹے نوشیرواں نے لوگوں پر خراج اور عشر لگایا تھا تو شریعت اسلامی نے بھی اُس کے قریب قریب حکم دیا۔ آنحضرت صلعم سے چونکہ یہودیوں سے اکثر خط و کتابت رہتی تھی، اس لیے آپ نے زید بن ثابت کو حکم دیا اور اُنھوں نے عبرانی زبان سیکھ لی۔[2] زید نے اسی قسم کی ضرورتوں سے سریانی زبان بھی سیکھ لی تھی۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب فتوحات کو نہایت ترقی ہوئی تو ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے شام کے سلاطین کو دیکھا ہے کہ اُن کے ہاں فوج اور خزانہ کا جداگانہ دفتر مرتب رہتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسی اصول کے موافق فوج اور خزانہ کا دفتر قائم کیا۔ یہاں تک کہ نام بھی وہی عجمی یعنی دیوان رکھا جو بعینہٖ فارسی لفظ ہے۔ صحابہ میں سے بہتوں نے فارسی زبان سیکھ لی تھی۔ چنانچہ ہرمزان جو عجم کا ایک رئیس تھا جب حضرت عمرؓ کے دربار میں آیا تو مغیرہؓ نے فارسی میں ان سے سوال و جواب کیے۔[3]

غرض یہ امر محتاج شہادت نہیں کہ قرن اوّل کے مسلمانوں نے جب موقع اور ضرورت ہوئی تو معاشرت اور تمدن کے متعلق بے تکلف غیر قوموں کے اصول اور آئین اختیار کیے۔ البتہ تاریخی طور سے یہ امر بحث طلب ہے کہ مسلمانوں نے غیر قوموں کے

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۱۰، ۱۱۲ [2] فتوح البلدان صفحہ ۴۷۹، ۴۸۰
[3] فتوح البلدان صفحہ ۴۵۴

علوم وفنون پر کس زمانہ میں توجہ کی اور کن اسباب سے کی۔

اصل یہ ہے کہ ابتدا ہی میں مسلمانوں کو فتوحات کی وجہ سے مختلف قوموں سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوا، اور جس قدر یہ روابط بڑھتے گئے اسی قدر ان کو دوسری قوموں کے علوم وفنون، اور خیالات سے زیادہ واقفیت ہوتی گئی۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب مصر فتح ہوا تو وہاں وہ یونانی مشہور فلاسفر موجود تھا جس کو انگریزی میں جان اور عربی میں یحییٰ نحوی کہتے ہیں[1]۔ وہ عمرو بن العاص کی خدمت میں حاضر ہوا اور عمرو بن العاص نے اس کی نہایت قدر و عزت کی چنانچہ وہ اکثر ان سے ملتا رہتا تھا۔ اور یہ اس کی علمی تقریریں سن کر محظوظ ہوتے تھے[2]۔ امیر معاویہ نے اپنے عہد حکومت میں غیر قوموں کو زیادہ دخل دیا، ان سے پہلے کسی خلیفہ نے دفتر خراج کے سوا عیسائیوں اور یہودیوں کو کوئی ملکی خدمت نہیں دی تھی۔ انھوں نے ایک عیسائی کو دربار کا میر منشی مقرر کیا اور ابن آثال ایک عیسائی کو ضلع حمص کی کلکٹری کی خدمت دی۔ ابن آثال طبیب بھی تھا۔ اس نے امیر معاویہ کے لیے طب کی بعض کتابیں یونانی زبان سے ترجمہ کیں۔ اور گویا یہ ترجمہ کے رواج کا پہلا دیباچہ تھا۔

اگرچہ یہ وہ زمانہ تھا کہ اسلامی علوم وفنون یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، انساب اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ سینکڑوں آدمی ان کے پڑھنے پڑھانے میں مصروف تھے اور بجز اس کے کہ تصنیف و تالیف کا رواج نہیں ہوا تھا۔ تعلم و تعلیم میں اور کسی بات کی کمی نہ تھی لیکن اب تک اہل عرب نے غیر قوموں کے علوم وفنون حاصل کرنے کی طرف خاص توجہ نہیں کی تھی۔ امیر معاویہ کا پوتا خالد جو اسلامی علوم وفنون میں یکتا تھا۔ اس نے فن طب

---

[1] اس کا مفصل حال اور اسکی تصنیفات کا ذکر آگے آئے گا [2] کتاب الفہرست صفحہ ۲۵۴ طبقات الاطبا ذکر یحییٰ نحوی۔

اور کیمیا میں کمال پیدا کرنا چاہا اور چونکہ اس وقت علمی طور سے اس فن کے ماہر عیسائی یا یہودی تھے۔ خالد کو عیسائی طبیبوں کی شاگردی کرنی پڑی۔ اس تعلق سے اس نے غیر قوموں کے اور علوم سے بھی واقفیت حاصل کی۔ ایک یونانی راہبان سے جس کا نام مریانس تھا اس نے علم کیمیا سیکھا اور خود اس فن میں تین مختصر کتابیں لکھیں۔ اس نے بڑے حوصلہ کے ساتھ غیر زبانوں کے ترجمہ پر توجہ کی۔ اس زمانہ میں فلسفہ وغیرہ کی تعلیم یونان سے منتقل ہو کر مصر میں آگئی تھی اور یونانی نسل کے بڑے بڑے حکما اور اہل فن یہیں کے مدرسوں میں پڑھتے تھے۔ اور چونکہ مصر جس دن سے اسلام کے قبضہ میں آیا تھا اُسی وقت سے وہاں عربی رواج پانے لگی تھی۔ یہاں تک کہ تھوڑے دن کے بعد کل مصر کی زبان قبطی کی بجائے عربی ہوگئی۔ اسی لیے ان حکما میں بہت ایسے بھی تھے جو عربی زبان لکھ پڑھ سکتے تھے۔ خالد نے ان لوگوں کو بلا کر یونانی اور قبطی زبان کی کتابوں کے ترجمہ پر مامور کیا[1]۔ علامہ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں لکھا ہے کہ اسلام میں یہ پہلا موقع ہے کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ خالد کے عہد کا مشہور مترجم اصطفن تھا معلوم ہوتا ہے کہ خالد کی اس کوشش کا اور لوگوں پر بھی اثر ہوا۔ اور خود سلطنت کو اس کام کی طرف توجہ ہوئی۔ چنانچہ مروان بن الحکم جو سلطنت بنی امیہ کا پہلا تاجدار ہے، اس کے دربار کے ایک مشہور یہودی طبیب نے جس کا نام سرجیس تھا بشپ اہرن کی قرابادین کا سریانی زبان سے عربی میں ترجمہ کیا اور یہ ترجمہ شاہی کتب خانہ میں داخل کیا گیا۔

علامہ جمال الدین قفطی نے لکھا ہے کہ قدیم زمانہ کے جس قدر قرابادین ہیں، یہ

---

[1] فہرست ابن الندیم صفحہ ۲۴۲ و ابن خلکان تذکرہ خالد بن یزید ۱۲

سب سے بڑھ کر ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے عہد خلافت میں اس کو خزانۂ شاہی سے نکلوا کر بہت سی نقلیں کرائیں اور عام طور پر شائع کیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو ایک بڑی وجہ یونانی معلومات کی طرف رغبت کی یہ تھی کہ جب وہ سلیمان بن عبدالملک کے زمانہ میں مصر کے گورنر تھے تو اسکندریہ کی یونانی تعلیم کا پروفیسر اور افسر کل ابن ابجر نام ایک حکیم تھا۔ معلوم نہیں کن اسباب سے وہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے ہاتھ پر اسلام لایا۔ جب یہ خلیفہ ہوئے تو اُنھوں نے اس کو اپنے دربار میں بلا لیا، اور طبی صیغہ کی افسری اس کو دی[1]۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ کی تخت نشینی کے سال یونانی تعلیم اسکندریہ سے انطاکیہ و حران کو منتقل ہو گئی۔ غالباً اس کی وجہ یہی ہو گی کہ اسکندریہ میں جس کے دم سے یہ تعلیم قائم تھی (یعنی ابن ابجر) وہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس چلا آیا۔

بعض ملکی ضرورتوں نے بھی ترجمہ کے رواج میں مدد دی۔ اس وقت تک مالگزاری اور خراج کے جس قدر دفتر تھے سب غیر زبانوں میں تھے۔ چنانچہ عراق کا دفتر فارسی میں، شام کا لاطینی میں، مصر کا قبطی میں تھا، اور اسی وجہ سے دفتر خراج کے جس قدر عہدہ دار تھے سب مجوسی و عیسائی تھے۔ حجاج بن یوسف کے زمانہ میں دربار کا میر منشی ایک مجوسی تھا جس کا نام فرخ تھا۔ اس نے ایک موقع پر یہ دعویٰ کیا کہ میرے بغیر دفتر خراج کا کام انجام نہیں پا سکتا۔ وہ تو ایک ہنگامے میں اتفاق سے مارا گیا لیکن اس کے اس مغرورانہ دعویٰ کی خبر حجاج کو پہنچی۔ اتفاق یہ کہ حجاج کے دربار میں صالح بن عبدالرحمٰن ایک شخص موجود تھا جو عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں کمال رکھتا تھا۔ حجاج نے

---

[1] طبقات الاطبا جلد اوّل صفحہ ۱۱۶ - ۱۲

اس کو حکم دیا گیا کہ خراج کا جس قدر دفتر ہے فارسی زبان سے عربی میں ترجمہ کر دیا جائے۔ دربار میں جو پارسی موجود تھے، اُن کو نہایت اضطراب پیدا ہوا کہ اتنا بڑا محکمہ ہمارے ہاتھ سے نکلا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ اُنھوں نے صالح کے پاس رشوت کے ایک لاکھ درہم پیش کیے کہ تم حجاج سے کہہ دو کہ عربی زبان میں ترجمہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن صالح نہ مانا، اور ؁۷۸ھ میں عراق کا تمام دفتر عربی زبان میں ترجمہ ہو گیا۔ اس کے بعد ولید بن عبد الملک کے زمانہ میں ؁۸۷ھ میں عبداللہ بن عبد الملک کی کوشش سے مصر کا دفتر عربی زبان میں منتقل ہوا۔ پھر ہشام بن عبد الملک نے شام کا دفتر عربی زبان میں ترجمہ کرایا۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی صدی ہجری کے اخیر تک مسلمانوں میں بہت سے آدمی پیدا ہو گئے تھے جو فارسی، لاطینی، قبطی وغیرہ زبانوں سے واقفیت رکھتے تھے۔

ہشام بن عبد الملک جو ؁۱۰۵ھ میں تخت نشین ہوا، حکومت بنی امیہ کا گل سرسبد تھا۔ اس کے عہد میں ملکی انتظامات کے نظم و نسق کے ساتھ علوم و فنون کو بہت ترقی ہوئی۔ اور غیر قوموں کے معلومات و خیالات سے واقفیت کے نئے سامان پیدا ہو گئے۔ سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ ہشام نے خالد بن عبداللہ قسری کو عراق کا گورنر مقرر کیا جو بے تعصبی اور علمی فیاضی میں یگانہ روزگار تھا۔ فرقہ مانویہ جس کے پیشوا مانی کو شہنشاہِ ایران نے قتل کروا دیا تھا، اور حکم دیا تھا کہ اس فرقہ کا ایک شخص بھی دنیا میں زندہ نہ رہنے پائے عجم کی آخری سلطنت تک مارا مارا پھرتا تھا۔ اسلام کی حکومت میں اُن کو امن حاصل ہوا، اور خالد نے ان کے ساتھ اس قدر مراعات کیں کہ درحقیقت اُن کا مربی بن گیا[1]۔ ہشام کا میر منشی جس کا نام سالم تھا، مشہور صاحبِ قلم اور فصیح و بلیغ تھا۔

---

[1] کتاب الفہرست صفحہ ۳۳۷

اس کے علاوہ غیر زبانوں میں نہایت مہارت بھی رکھتا تھا۔ اس نے ارسطو کے رسالوں کا جو سکندر کے کام تھے عربی زبان میں ترجمہ کیا[1]۔ اس کا بیٹا جبلہ فارسی زبان میں کمال رکھتا تھا چنانچہ اس نے فارسی زبان کی بہت سی کتابیں عربی میں ترجمہ کیں[2]۔ جن میں سے جنگ رستم و اسفندیار و داستان بہرام چوبیں کا ذکر علامہ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں کیا ہے۔ سالم کی ترغیب اور فیاضی سے لوگوں نے بھی بہت سی کتابیں ترجمہ کیں۔

ہشام کو خود اس کام کے ساتھ نہایت شوق و شغف تھا۔ شاہانِ عجم کے علمی ذخیرے جو ہاتھ آئے تھے، اُن میں ایک نہایت مبسوط تاریخ تھی، جس میں تمام شاہانِ عجم کی سوانح عمریاں، قواعد سلطنت، تعمیرات، علوم و فنون تفصیل سے درج تھے اور ایک خاص بات یہ تھی کہ جس بادشاہ کا حال تھا اُس کی تصویر بھی تھی۔ تصویر میں حلیہ اور لباس و وضع کو اصلی طور سے دکھایا تھا۔ ہشام نے اس کے ترجمہ کا حکم دیا اور ۱۱۳ھ میں یہ ترجمہ تیار ہو کر مرتب ہوا۔ مورخ مسعودی نے لکھا ہے[3] کہ "میں نے ۳۰۳ھ میں بمقام اصطخر یہ کتاب مع تصاویر دیکھی۔ سلطنت فارس کے متعلق جس قدر کتابیں قدیم فارسی میں موجود ہیں، کوئی اس قدر مفصل اور مبسوط نہیں ہے"۔ ہشام بن عبدالملک نے ۱۲۵ھ میں وفات پائی اور اس کی وفات کے ساتھ گویا حکومت بنی امیہ کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

دولت عباسیہ کا پہلا تخت نشین سفاح تھا جس نے صرف دو ڈھائی برس حکومت کی۔ پھر منصور مسند آرا ہوا، اور دولتِ عباسیہ کا آغاز بھی اسی وقت سے خیال کیا جاتا ہے۔ منصور خود بہت بڑا عالم اور صاحب فضل و کمال تھا۔ اس کی

---

[1] کتاب الفہرست صفحہ ۱۱۷، [2] کتاب الفہرست صفحہ ۲۴۴ [3] کتاب التنبیہ والاشراف مسعودی ۱۰۶

حوصلہ افزائی نے علوم و فنون کا دریا بہا دیا۔ اس کا مبارک عہد تھا کہ اسلامی علوم کی تدوین شروع ہوئی۔ یعنی امام ابو حنیفہؒ نے فقہ کو مدون کیا۔ ابن اسحٰق نے غزواتِ نبوی لکھے۔ امام مالکؒ، اوزاعیؒ، سفیان ثوریؒ وغیرہ نے حدیثیں جمع کیں۔ منصور کا مذاق اتفاق سے عجمی واقع ہوا تھا، وہ ہر ہر بات میں اہلِ عجم کی تقلید کرتا تھا۔ یہاں تک کہ دربار کا لباس بھی عجمی رکھا۔ منصور ہی پہلا شخص تھا جس نے عرب کا زور گھٹانے کے لیے عجمیوں کا رسوخ بڑھایا اور تمام بڑے بڑے عہدے اُن کے ہاتھ میں دے دیے۔ اگرچہ منصور کی یہ کارروائی پولیٹیکل حیثیت سے نہایت خراب تھی۔ لیکن اس غلطی سے اتنا فائدہ ہوا کہ عرب میں فلسفہ کی بنیاد قائم ہوئی اور مسلمانوں میں عقلی علوم کا جو کچھ رواج ہے وہ اسی غلطی کی بدولت ہے۔ منصور نے جن عجمیوں کو دربار میں رسوخ دیا وہ عموماً صاحبِ فضل و کمال تھے اور اس وجہ سے اُنھوں نے طب و فلسفہ کی نادر نادر کتابیں منصور کے لیے بہم پہنچائیں اور ان کے ترجمے کیے۔ ان میں ایک عبداللہ بن المقفع تھا جس کی نسبت ہمارے علمائے عربیہ نے تسلیم کیا ہے کہ شروع اسلام سے آج تک عربی زبان میں ایسا فصیح و بلیغ مقرر اور صاحبِ قلم نہیں گذرا۔ چنانچہ اس کی کتاب یتیمۃ کو ملحدوں نے (نعوذ باللہ) قرآن مجید کے مقابلہ میں پیش کیا ہے۔ وہ مجوسی تھا اور اس کی مادری زبان فارسی تھی۔ اسلام قبول کر کے اُس نے عربی میں کمال پیدا کیا، اور منصور نے اس کو دربار کا میر منشی مقرر کر دیا۔ چونکہ وہ مختلف زبانوں کا ماہر اور اس کے ساتھ نہایت فصیح و بلیغ تھا۔ اُس کے ترجمے نہایت اعلیٰ درجہ کے خیال کیے جاتے ہیں۔ ان میں کلیلہ و دمنہ کا ترجمہ اب بھی یادگار ہے اور چھپ کر شائع ہو چکا ہے اس نے یونانی زبان کی کتابیں بھی ترجمہ کیں، مثلاً قاطیغوریاس، باریمیناس، انالوطیقا

وغیرہ، فرفوریوس مصری کی کتاب ایساغوجی کا ترجمہ بھی اسی نے کیا۔[1] فارسی زبان اس کی مادری زبان تھی۔ اس لیے اس زبان کی کتابیں کثرت سے ترجمہ کیں، ان میں سے خدائی نامہ، آئین نامہ، بزدک نامہ، نوشیرواں نامہ جو تاریخ کی کتابیں ہیں، زیادہ مشہور ہوئیں۔ پارسیوں کی علم الاخلاق کی دو بڑی کتابیں جو اس نے ترجمہ کیں وہ الادب الکبیر اور الادب الصغیر کے نام سے مشہور ہیں۔ چنانچہ ان کتابوں کا ذکر علامہ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں کیا ہے۔

اہل عجم میں سے ایک اور بڑا صاحب اثر شخص جو منصور کے دربار میں تھا نوبخت نام ایک آتش پرست تھا۔ وہ منصور کے ہاتھوں پر اسلام لایا تھا، اور دربار میں اسکو وہ جاہ و اقتدار حاصل تھا کہ اکابر دولت میں گنا جاتا تھا۔ اس کا خاندان ایک مدت تک علم و فضل کا سرپرست رہا، اور ان کی وجہ سے فارسی زبان کے بہت سے ذخیرے عربی میں آئے۔ ابوسہل اور حسن بن موسیٰ جو بڑے پایہ کے متکلم تھے اور جن کے ہاں مترجمین کا جمگھٹا رہتا تھا اسی نوبخت کے خاندان سے تھے۔[2]

انہی عجمیوں میں سے جارج بن جبریل بھی تھا جو مشہور مترجم گذرا ہے۔ یہ جندی سابور میں افسر الاطبا کے منصب پر ممتاز تھا۔ ۱۴۸ھ میں منصور نے اس کو علاج کے لیے طلب کیا، اور پھر اس کا تمام خاندان دربار میں داخل ہوگیا۔ منصور نے اس کی یہ قدردانی کی کہ باوجود اس کے کہ اس نے اپنے مذہب کو نہیں بدلا تھا دربار کا طبیب مقرر کیا، اور جب مرض الموت میں اُس نے وطن کو واپس جانا چاہا تو سفر خرچ

---

[1] عبداللہ بن المقفع کے لیے دیکھو کتاب الفہرست صفحہ ۱۱۸ و طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۳۰۸

[2] کتاب الفہرست صفحہ ۱۷۶، ۱۷۷، ۲۴۴ و مروج الذہب ذکر خلافت قاہر باللہ

کے لیے پچاس ہزار روپے عنایت کیے۔ جارج پہلا شخص ہے جس نے دولت عباسیہ میں طب کی تصنیفات عربی زبان میں ترجمہ کیں [۵۱]۔ اس کی کوشش سے طب کا بڑا ذخیرہ عربی میں فراہم ہوا۔ اس نے خود بھی ایک نہایت مفصل اور عمدہ تجربات کی کتاب سریانی زبان میں لکھی، جس کا ترجمہ حنین بن اسحاق نے عربی میں کیا۔ منصور کے عہد سے لے کر سنہ ۴۵۰ھ تک یہ خاندان قائم رہا اور دولت عباسیہ کے اخیر عہد ترقی تک یہ خاندان برابر علوم طبیہ کا سرپرست، علم و فضل کا حامی اور دربار کا زیب و زینت رہا۔

طب کی کتابوں کا ایک اور مشہور مترجم جو منصور کے دربار میں تھا بطریق نام ایک عیسائی تھا۔ اس نے منصور کے حکم سے یونان کی بہت سی کتابیں ترجمہ کیں، بقراط اور جالینوس کی تصنیفات کے جو ترجمے اس نے کیے ساتویں صدی ہجری تک متداول رہے [۵۲]۔

منصور کے ذوق علمی کا یہ حال تھا کہ یونان کے علوم و فنون کا جو سرمایہ خود اس کے ملک میں بہم پہنچ سکتا تھا اس پر اکتفا نہ کر کے قیصر روم کو خط لکھا، چنانچہ اس کی درخواست کے موافق قیصر نے فلسفہ وغیرہ کی بہت سی کتابیں منصور کے پاس روانہ کیں۔

منصور کے ذوق کا یہاں تک چرچا پھیلا کہ دور دراز ملکوں سے ہر قوم و ملت کے اہل کمال نے اس کے دربار کا رخ کیا۔ سنہ ۱۵۶ھ میں ہندوستان کا ایک بڑا

---

۵۱ جارج کے لیے دیکھو طبقات صفحہ ۱۲۴، ۲۰۳

۵۲ بطریق کے لیے دیکھو طبقات صفحہ ۲۰۵

ریاضی داں عالم بغداد میں آیا اور سنسکرت کی مشہور زیچ جس کا نام سدھانتا ہے اور جس کے متعلق آگے چل کر ہم کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھیں گے منصور کی خدمت میں پیش کی۔ محمد ابن ابراہیم فزاری نے منصور کے حکم سے اس کا ترجمہ کیا۔ ماموں الرشید کے زمانہ تک اعمال کواکب میں اسی زیچ پر اعتماد کیا جاتا تھا۔[۱]

مذاہب کی تحقیقات کے لیے منصور نے اجازت دی کہ تمام مختلف فرقوں کی مذہبی کتابیں ترجمہ کی جائیں۔ اس وقت ایران میں جس مذہب کا بہت چرچا تھا۔ وہ مانی کا مذہب تھا۔ مانی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور چند کتابیں پیش کی تھیں کہ خدا کی طرف سے اس پر نازل ہوئی ہیں۔ بادشاہِ وقت نے اُس کو قتل کرا دیا اور حکم دیا کہ اس کے پیرووں میں سے ایک متنفس بھی زندہ نہ رہنے پائے۔ چنانچہ عجم کی اخیر سلطنت تک اس فرقے والے اِدھر اُدھر مارے مارے پھرے، لیکن جب اسلام کا زمانہ آیا تو اس نے تمام مذاہب کو آزادی دے دی اس وقت یہ فرقہ بھی عراق کو واپس آیا اور چونکہ خالد بن عبداللہ قسری گورنر عراق نے ان پر خاص توجہ کی[۲]، وہ امن و اطمینان کے ساتھ اپنے مذہب کی ترویج میں مصروف ہوئے۔ عباسیہ کا عہد آیا تو مانی کی تمام تصنیفات ملک میں پھیلی ہوئی تھیں۔ عبداللہ ابن المقفع اور دیگر مترجموں نے ان کا عربی زبان میں ترجمہ کیا۔ مانی کے سوا مجوسیوں کے اور بانیانِ مذاہب مثلاً دیصان مرقون کی کتابوں کے ترجمے ہوئے، اور یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کو دوسری قوموں کے مذہب اور مذہبی معلومات سے واقفیت حاصل ہوئی۔ اگرچہ اوّل اوّل اس کا یہ اثر ہوا کہ

---

[۱] جامع القصص الہندیہ مطبوعہ فرانس ۵۲ [۲] کتاب الفہرست صفحہ ۳۳۷

لوگوں میں اعتدال سے زیادہ مذہبی آزادی آگئی اور بعض لوگ الحاد کی طرف مائل ہو گئے۔ یہاں تک کہ ابن ابی العرجاء، حماد، عجرد، یحییٰ، ابن زیاد، مطیع بن ایاس نے مانی وغیرہ کی تائید میں کتابیں لکھیں[1]۔ تاہم منصور نے آزادی کے لحاظ سے کچھ روک نہیں کی، اور سچ پوچھو تو اس سے بڑا نفع یہ ہُوا کہ مسلمانوں میں ایک نیا علم جو علم کلام کہلاتا ہے پیدا ہُوا جس کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے الحاد و زندقہ کا راستہ رُک گیا۔

اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ مانی وغیرہ کی کتابوں کے پھیلنے سے جب الحاد کی ہَوا چلی تو منصور کے فرزند خلیفہ مہدی نے اپنے عہد حکومت میں اس آگ کو آبِ تیغ سے بجھانا چاہا۔ چنانچہ سیکڑوں ہزاروں آدمی قتل کرا دیے۔ لیکن خیالات کی آزادی جبر و تعدی سے رک نہیں سکتی تھی۔ آخر اس نے علمائے اسلام کو حکم دیا کہ ملحدوں کے رَد میں کتابیں لکھیں۔ اس طرح علم کلام کی بنیاد پڑی۔ ایک بڑا فائدہ اس سے یہ ہُوا کہ مخالفوں کے مذہب اور خیالات رد کرنے کے لیے ان کی مذہبی تصنیفات سے زیادہ واقفیت حاصل کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اور اس وجہ سے خواہ مخواہ غیر زبانوں کے سیکھنے اور ترجمہ کرنے کی ضرورت کا زیادہ تر رواج ہُوا۔

مہدی کے بعد جب ہارون الرشید تختِ خلافت پر بیٹھا تو اس وقت تک یونانی، فارسی، سریانی، ہندی تصنیفات کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہو چکا تھا۔ ہارون الرشید نے اُن کو منظم صورت میں رکھنے کے لیے ایک عظیم الشان محکمہ قائم کیا جس کا

---

[1] مروج الذہب ذکر خلافت قاہر باللہ

نام بیت الحکمۃ رکھا اور ان میں ہر زبان اور ہر مذہب کے ماہرین کو ترجمہ کے کام پر مامور کیے۔ ان میں فضل بن نوبخت مجوسی بھی تھا، اور وہ خاص فارسی زبان کے ترجمہ پر مامور تھا۔ رشید کے دور میں فلسفہ کا بڑا سرمایہ ایک خاص وجہ سے ہاتھ آیا۔ شاہان روم کا معمول تھا کہ خلافت عباسیہ کو سالانہ نذرانہ بھیجا کرتے تھے۔ نائیس فورس جو رشید کے عہد میں روم کے تخت سلطنت پر بیٹھا، اس نے نذرانہ بھیجنے سے انکار کیا اور رشید کو گستاخانہ خط لکھا۔ اس کے انتقام میں رشید نے ایشیائے کوچک پر جو اس وقت رومیوں کا پائے تخت تھا پے در پے حملے کیے اور دار السلطنت ہرقلہ کو برباد کر دیا۔ یونان کے بعد یونانی فلسفہ کی تعلیم و تعلم انہی ممالک میں منتقل ہو کر آ گئی تھی۔ چنانچہ رشید نے انگوریہ اور اموریہ وغیرہ کو فتح کیا تو بے شمار یونانی کتابیں ہاتھ آئیں۔ رشید نے ان کو نہایت احتیاط سے محفوظ رکھا، اور اس زمانے کے مشہور مترجم کو جس کا نام یوحنا بن ماسویہ تھا، ان کے ترجمہ پر مامور کیا[1]۔ یہ تمام کتابیں خزانۃ الحکمۃ میں داخل کی گئیں اور یوحنا خزانۃ الحکمۃ کا افسر مقرر کیا گیا۔

سنسکرت کی علمی تصنیفات اگرچہ منصور کے عہد میں بغداد پہنچ چکی تھیں، لیکن اس زمانہ میں اور نئے سامان پیدا ہو گئے۔ ہارون الرشید ایک دفعہ سخت بیمار پڑا۔ اس وقت بغداد طبیبوں سے معمور تھا۔ تاہم اس کو کسی کے علاج سے شفا نہیں ہوئی۔ اس وقت ہندوستان کا ایک طبیب جو فلاسفر بھی تھا شہرت عام رکھتا تھا، اور چونکہ دربار خلافت اور فرمانروایان ہندوستان

---

[1] طبقات صفحہ ١٧٥

سے دوستانہ مراسم قائم تھے اور باہم خط و کتابت رکھتے تھے، سب نے اس کے بلانے کی رائے دی۔ غرض وہ طبیب طلب کیا گیا اور بغداد میں برامکہ کا جو ہسپتال تھا اس کا مہتمم اور افسر مقرر کیا گیا۔ سنسکرت کی علمی کتابیں اکثر اس نے ترجمہ کرائیں۔ چنانچہ سشسرت کی کتاب جو دس بابوں میں ہے، اور سامیکا جس میں زہروں کے علاج کا بیان ہے اس نے ترجمہ کی۔[۵] رشید کے دربار میں اور بھی ہندو طبیب تھے۔ جن کی وجہ سے ویدک کی معلومات عربی زبان میں منتقل ہوئیں۔ ان میں سے صالح (اصلی نام سالی ہوگا) کا حال علامہ ابن ابی اصیبعہ نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

ہارون کے بعد مامون کا دور آیا اور اس کی بدولت عربی زبان تمام دنیا کے علوم و فنون سے مالا مال ہو گئی۔ مامون کی شاہزادگی اور خلافت کا زمانہ زیادہ مرو میں گذرا۔ مامون ماں کی طرف سے عجمی نژاد تھا، اور عجم کی صحبت میں رہ کر خود بھی عجمی بن گیا تھا۔ ہر بات میں وہ شاہانِ عجم کی تقلید کرتا تھا، اور اردشیر کا آئینِ سلطنت اس کا دستور العمل تھا۔[۶] دربار میں جس قدر امراء اور وزراء تھے مجوسی النسل تھے جن میں سے اکثر اس کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے تھے۔ ان باتوں کے ساتھ چونکہ وہ علوم قدیمہ کا نہایت شائق تھا، اس لیے فارسی لٹریچر اور علوم و فنون کا بے انتہا سرمایہ اس کے خزانہ میں جمع ہو گیا۔ ۲۰۴ھ میں وہ خراسان سے بغداد میں آیا۔ یہاں یونانی فلسفہ کا زور تھا۔ اس نے اس میں بھی کمال بہم پہنچایا اور خزانۃ الحکمۃ کو زیادہ وسعت دی۔ فلسفہ کے ساتھ اس کی شیفتگی اس حد تک پہنچی کہ ایک دن خواب میں دیکھا کہ ایک شخص جس کا یہ حلیہ ہے: سفید رنگ، کشادہ پیشانی، پیوستہ ابرو،

۵؎ طبقات جلد دوم صفحہ ۳۳ و کتاب الفہرست صفحہ ۳۰۰ و ۲۴۵ ۶؎ مسعودی ذکر خلافت قاہر باللہ

آنکھوں میں سیاہی کے ساتھ نیلا پن تخت پر بیٹھا ہے۔ ماموں نے ہیبت زدہ ہو کر
نام پوچھا، اُس نے کہا ارسطو۔ ماموں خوشی سے پھڑک اُٹھا اور اس سے سوال و
جواب کیے۔ اس خواب نے ماموں کو فلسفہ کا اور دلدادہ بنا دیا۔ چنانچہ ۲۱۵ھ میں[1]
قیصر روم کو خط لکھا کہ ارسطو وغیرہ کی جس قدر کتابیں بہم پہنچ سکیں پہنچائی جائیں
یہ وہ زمانہ تھا کہ خلفائے عباسیہ کے خطوط قیصر پر فرمان کا اثر رکھتے تھے۔ قیصر
تعمیل ارشاد پر آمادہ ہوا، اور کتابوں کے بہم پہنچانے کی کوشش کی۔ ایک عیسائی
خانقاہ نشین نے پتہ دیا کہ یونان میں ایک مکان ہے جو قسطنطین کے زمانہ سے
مقفل چلا آتا ہے۔ قسطنطین نے اس میں فلسفہ کی کتابیں اس خیال سے بند
کرادی تھیں کہ فلسفہ سے مذہب عیسوی کو ضرر پہنچتا ہے۔ قیصر کے حکم سے یہ مکان
کھولا تو بہت سی کتابیں نکلیں۔ قیصر کو حسد ہوا کہ یہ گنجینۂ بے بہا مسلمانوں کے
ہاتھ میں جاتا ہے۔ لیکن درباریوں نے تسکین دی کہ یہ بلا (فلسفہ) جہاں جائے گی
آفت لائے گی۔ غرض پانچ اونٹوں پر لد کر یہ کتابیں دار الخلافہ کو روانہ کی گئیں۔[2]
ماموں نے اپنے قاصدوں کے ساتھ اُن بڑے بڑے مترجموں کو بھی بھیجا تھا
جو خزانۃ الحکمۃ کے مہتمم اور یونانی اور سریانی زبان میں کمال رکھتے تھے۔ چنانچہ
ان میں سلما حجاج بن مطر ابن البطریق بھی تھے۔ ماموں کے دربار میں اگرچہ ترجموں کا
ایک گروہ کثیر موجود تھا۔ لیکن چونکہ اس وقت ترجمہ میں اکثر لفظی رعایت کا رواج
تھا یعنی مترجمین لفظ کے مقابلہ میں لفظ رکھ دیتے تھے۔ ماموں کو ایسے مترجم کی

---

[1] مقریزی جلد دوم صفحہ ۲۵۷ و کتاب الفہرست صفحہ ۲۴۳

[2] یہ تفصیل ناسخ التواریخ حالات ارسطو کے بیان میں مذکور ہے۔

تلاش تھی جو خود ان فنون میں اجتہاد کا درجہ رکھتا ہو، تاکہ ترجمہ کے ساتھ تعلیم کی اصلی مشکلات کو بھی حل کردے۔ ایسے شخص اس زمانے میں صرف دو تھے۔ حنین و یعقوب کندی۔

حنین کی زندگی جہاں تک اس موقع سے تعلق رکھتی ہے یہ ہے کہ وہ ایک عراف بچہ عیسائی تھا، اور حیرہ جو عراق کا مشہور شہر ہے سکونت رکھتا تھا چونکہ اس وقت عیسائیوں کی بدولت در و دیوار سے تعلیم کی صدا آتی تھی۔ اس نے ہوش سنبھال کر طب کے سیکھنے کی طرف توجہ کی۔ اس زمانہ میں یونانی فلسفہ کا بڑا ماہر یوحنا ابن ماسویہ تھا جو ہارون الرشید کے خزانۃ الحکمۃ کا افسر تھا حنین اس کے حلقہ درس میں پہنچا، لیکن چند روز کے بعد استاد شاگرد میں شکر رنجی ہوگئی۔ یوحنا نے کہا تم جاکر صرافی کی دوکان کھولو تم کو علم نہیں آسکتا۔ حنین غمزدہ ہوکر روتا اٹھا اور دل میں ٹھان لی کہ یونانی زبان میں وہ کمال پیدا کروں گا کہ تمام ملک میں کسی کو ہمسری کا دعویٰ نہ ہو۔ ممالک اسلامیہ میں اس وقت یونانی زبان کا مرکز اسکندریہ تھا۔ وہاں یونانی علم و ادب اور فلسفہ کی تعلیم کی بہت سی درسگاہیں تھیں۔ اس کے علاوہ یونانی نہایت کثرت سے وہاں آباد تھے۔ اس لیے اس نے اسکندریہ کا رخ کیا اور وہاں رہ کر یونانی زبان حاصل کی۔ چنانچہ یونان کے مشہور شاعر ہومر کا کلام حفظ یاد کیا کرتا تھا اس کے بعد عربیت کی تکمیل کے لیے بصرہ میں آیا۔ یہاں خلیل بصری جو علم نحو کا موجد ہے نحو کا درس دیتا تھا اور سیبویہ وغیرہ اس کے حلقہ درس میں بیٹھتے تھے۔ حنین نے عربی پڑھنی شروع کی۔ اور اس میں بھی نہایت کمال پیدا کیا۔ فارسی اس کی ملکی زبان تھی۔

غرض حنین کا ابھی آغاز شباب تھا کہ اس کی شہرت دُور دُور پھیل گئی۔ چنانچہ مامون کو جب ترجمہ کے لیے تلاش ہوئی تو لوگوں نے اس کا نام لیا۔ مامون نے اس کو بلا کر بیش بہا انعامات دیئے اور ترجمہ کی خدمت متعلق کی۔ مشہور ہے کہ انعامات وغیرہ کے علاوہ مامون ہر کتاب کے ترجمے کے صلہ میں کتاب کے برابر تول کر سونا دیتا تھا اور شاید یہی وجہ تھی کہ حنین ان ترجموں کو نہایت گندے کاغذ پر لکھاتا تھا اور خط نہایت جلی اور صفحہ میں صرف چند سطریں ہوتی تھیں۔

حنین کو یونانی کتابوں کے مہیا کرنے اور ترجمہ کرنے کا عشق تھا۔ کتابوں کی تلاش میں اُس نے ایشیائے کوچک کا ایک ایک شہر چھان مارا، یہاں تک کہ انتہائے آبادی تک پہنچا۔ خود اس کا بیان ہے کہ جالینوس کی کتاب البرہان کی تلاش میں میں نے یہاں تک کوشش کی کہ جزیرہ اور شام کے ایک ایک شہر میں دورہ کیا، فلسطین اور مصر میں جستجو کی اور اسکندریہ گیا۔ ان تمام کوششوں پر صرف آدھی کتاب ہاتھ آئی، اور وہ بھی نامرتب اور پریشان۔ ترجمے کے شوق کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب اس کی عمر ۴۸ برس کو پہنچی تو وہ جالینوس کی ایک سو اکیس کتابوں اور رسالوں کا ترجمہ کر چکا تھا۔[1] حنین ۱۹۴ھ میں پیدا ہوا، اور ستر برس کی عمر پا کر ۲۶۴ھ میں وفات پائی۔

مامون کے دربار کا دوسرا مشہور مترجم **یعقوب کندی** تھا۔ کندی وہ شخص تھا کہ علمائے اسلام نے اسی کو فیلسوف (فلاسفر) کا لقب دیا۔ بوعلی سینا اور ابن رشد اس لقب کے مستحق نہیں سمجھے گئے۔ ابن الندیم نے (کتاب الفہرست ص ۲۹۴)

---

[1] حنین کے متعلق یہ پوری تفصیل میں نے طبقات الاطبا تذکرہ حنین اور تذکرہ جالینوس سے لکھی ہے۔

میں اس کا مستقل تذکرہ لکھا ہے۔

یعقوب کندی کی بدولت عرب پر سے یہ اعتراض اٹھ گیا کہ اب تک نسلِ عرب سے کوئی شخص غیر زبانوں کا ماہر یا حکیم و فلاسفر پیدا نہیں ہوا۔ مامون الرشید کے زمانے سے چوتھی صدی کے آغاز تک تمام مسلمانوں میں اس کی تصنیفات رائج تھیں، اور ارسطو کی تصنیفات کے ہم پایہ خیال کی جاتی تھیں۔ وہ یونانی زبان کا بہت بڑا ماہر تھا، اور یونانی، فارسی، سنسکرت کے علوم وفنون میں کمال رکھتا تھا۔ اس نے فلسفہ کی بہت سی کتابیں ترجمہ کیں، اور بڑا کام یہ کیا کہ اصل کتاب میں جو مشکلات اور پیچیدگیاں تھیں ان کے عقدے حل کر دیے۔[1] مامون نے اس کو خاص ارسطو کی کتابوں کے ترجمے پر مامور کیا۔ کیونکہ ارسطو کے فلسفہ کا سمجھنے والا اس سے بڑھ کر کون ہو سکتا تھا۔ علامہ ابن الندیم اور ابن ابی اصیبعہ نے اس کی تصنیفات کا ذکر نہایت تفصیل سے کیا ہے جس سے اس کے حکیم اور فلاسفر ہونے کی تصدیق ہو سکتی ہے لیکن اس کے لکھنے کا محل نہیں۔

اسی زمانہ میں قسطا بن لوقا ایک عیسائی فاضل نے فلسفہ وغیرہ میں بہت کمال حاصل کیا۔ وہ یونانی نسل سے تھا۔ اور یونانی زبان میں نہایت فصاحت سے تقریر کرتا تھا۔ اس نے چونکہ بچپن میں شام میں پرورش پائی تھی اس لئے عربی زبان میں اس کو کمال حاصل تھا۔ وہ یونانی فلسفہ کا نہایت دلدادہ تھا۔ چنانچہ خاص اس غرض کے لیے اس نے ایشیائے کوچک کا سفر کیا اور یونانی علم کی بہت سی کتابیں بہم پہنچائیں۔ مامون نے اس کا حال سن کر بلا بھیجا اور بیت الحکمۃ میں ترجمہ کے کام پر مامور کیا۔ علامہ ابن

---

[1] یعقوب کندی کے لیے دیکھو طبقات الاطبا جلد اول صفحہ ۲۰۷ و کتاب الفہرست صفحہ ۲۵۵ اور مونک صاحب فرانسیسی کی کتاب۔

ابی صبیعہ نے لکھا ہے کہ اس نے یونان کی بہت سی کتابیں ترجمہ کیں اور پچھلے ترجموں کی اصلاح کی۔[1]

یہ تمام سامان تو یونانی کتابوں کے ترجمے کے تھے۔ فارسی اور پہلوی کے لیے ماموں نے مجوسی خاندان کے اہل کمال فراہم کیے۔ سہل بن ہارون تھا جو مجوسیوں کے علم و فنون کا بہت بڑا ماہر تھا۔ اس کے ساتھ عربی زبان کا ایسا انشاپرداز تھا کہ اس زمانے کے نہایت فصیح و بلیغ لوگوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جاحظ اس کی اُستادی کا اعتراف کرتا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن الندیم نے اس کا نام انشاپردازوں ہی کے ذیل میں لکھا ہے۔ اس نے کلیلہ و دمنہ کے طرز پہ ایک کتاب لکھی جس کا نام ثعلہ وزعفراء رکھا۔ ماموں نے اس کو خزینۃ الحکمۃ میں مقرر کیا اور فارسی کتابوں کے ترجمہ کی خدمت دی۔ سہیل کا بھائی سعید بھی نہایت فصیح و بلیغ تھا۔ ماموں نے اُس کو بھی خزانۃ الحکمۃ میں ترجمے کے کام پر مامور کیا۔[2] شاکر کا خاندان بھی خزانۃ الحکمۃ میں کام کرتا تھا، لیکن ان لوگوں نے ترجمہ کے کام کو اس قدر وسعت دی کہ ہم آگے چل کر اُن کا جداگانہ تذکرہ کریں گے۔ ان کے سوا سلما اور ابن البطریق و علان شعوبی وغیرہ خزانۃ الحکمۃ میں ملازم تھے۔ ایک ایسا محکمہ جس میں یعقوب کندی، حنین، قسطا بن لوقا، سہل بن ہارون، سلما ابن البطریق، حجاج ابن مطر۔ علان شعوبی جیسے ارباب کمال ملازم اور کارپرداز ہوں، اس کی وسعت اور خوبی کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔

ماموں کے عہد میں علوم عقلیہ اور دوسری زبانوں سے واقفیت کا ایک اور خاص

---

[1] دیکھو کتاب الاطباء صفحہ ۲۴۴ جلد اوّل و مختصر الدول و حالات یعقوب کندی کتاب الفہرست صفحہ ۲۹۵

[2] ان دونوں کا حال فہرست ابن الندیم صفحہ ۱۲ میں مذکور ہے۔

سبب تھا۔ برمکیوں کی بدولت مناظرہ کی مجلسوں کا جو طریقہ تمام ملک میں جاری تھا
ہارون الرشید نے اپنے اخیر زمانہ میں فقہا کے کہنے سے بند کرا دیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ
ہوا کہ فلسفہ وغیرہ کی طرف سے لوگوں کا میلان کم ہو چلا۔ مامون کے زمانہ سے پہلے یہ
بات مشہور ہو چکی تھی کہ دنیا میں اسلام بزور شمشیر پھیلا۔ کیونکہ اگر اسلام خود اپنی
خوبیوں کی وجہ سے پھیل سکتا تو لوگوں کو مناظرہ اور مباحثہ سے کیوں روکا جاتا۔ مامون
نے یہ شہرہ سن کر بغداد میں ایک بڑا مجمع کیا اور تمام ملک میں جس قدر پیشوایان مذہب
اور مختلف فرقوں کے لوگ تھے سب طلب کیے۔ فرقہ مانویہ کا سردار جس کا نام
یزدان بخت تھا رے سے بلایا گیا، اور مامون نے اس کو خاص ایوان شاہی کے
قریب اتارا۔ اس جلسہ میں علمائے کلام نے تمام مخالفین اسلام پر فتح حاصل کی۔[۱] اور لوگوں
پر علانیہ ثابت ہو گیا کہ اسلام کی اشاعت تلوار سے نہیں بلکہ زبان و قلم سے ہوئی اور
ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد مامون نے نہایت فراخ حوصلگی سے حکم دیا کہ تمام ملک میں
مناظرہ اور بحث کے عام جلسے کیے جائیں اور ہر فرقہ اور ہر مذہب کے لوگوں کو عام اجازت
دی جائے کہ اپنے مذہب کا اثبات اور دوسرے مذہب پر نکتہ چینی کریں۔ ان مجلسوں کی
وجہ سے تمام مسلمانوں کو فلسفہ اور علوم عقلیہ کی طرف میلان ہوا۔ کیونکہ دوسرے مذاہب کے
رد کرنے کے لیے فقہ اور حدیث وغیرہ کام نہیں آ سکتے تھے، اس کے ساتھ چونکہ دوسری
قوموں کے مذہبی مسائل معلوم کیے بغیر ان کے مذہب کا رد نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے
خواہ مخواہ دوسری قوموں کی زبان سیکھنی پڑی۔

مامون کے بعد معتصم تخت حکومت پر بیٹھا۔ وہ جاہل محض اور سپاہیانہ مذاق کا

---

[۱] ان حالات کے لیے دیکھو کتاب الملل والنحل یحییٰ المرتضیٰ اور مروج الذہب مسعودی ذکر خلافت قاہر باللہ
و کتاب الفہرست صفحہ ۳۳۸۔

آدمی تھا۔ اگرچہ اس کے عہد میں سلطنت کی شان و شوکت کو نہایت ترقی ہوئی۔ رومیوں پر اس نے آٹھ متواتر حملے کیے اور عموریہ کے معرکہ میں تو گویا رومیوں کی سلطنت کی جڑ ہلا دی، لیکن علمی فتوحات کو کچھ ترقی نہ دے سکا۔ البتہ عقلی علوم میں کچھ مزاحمت بھی نہیں کی۔ اس لیے جو لوگ اپنے شوق سے ان کاموں میں مصروف تھے بدستور مصروف رہے لیکن جب معتصم کے بعد ۲۲۷ھ میں خلیفہ واثق باللہ مسند آرا ہوا تو ترجمہ کے کام کو نئے سرے سے رونق حاصل ہوئی۔ وہ تقلید کا سخت مخالف تھا اور ہر فرقہ و ہر مذہب کو آزادی سے اظہارِ خیالات کا مجاز کیا تھا۔ تمام بڑے بڑے مشہور مترجم اور فلاسفر اس کے دربار میں حاضر رہتے تھے، اور ان سے فلسفیانہ بحثیں کرتا تھا۔ چنانچہ ایک صحبت کا حال جس میں ابن بختیشوع، ابن ماسویہ، میخائیل، حنین ابن اسحاق سلمویہ وغیرہ بھی موجود تھے۔ علامہ مسعودی نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے، حنین ابن اسحاق سے وقتاً فوقتاً اس نے جو علمی مسائل دریافت کیے اُن کو حنین نے ایک مستقل کتاب میں لکھا ہے جس کا نام کتاب المسائل الطبیعیہ ہے۔ یوحنا ابن ماسویہ مشہور مترجم جس کو ہارون الرشید نے خزانۃ الحکمۃ کا افسر مقرر کیا تھا۔ واثق نے اس کو اپنا ندیم خاص قرار دیا اور دولت و مال سے مالا مال کر دیا۔ چنانچہ ایک موقع پر تین لاکھ درہم عطا کیے[1]۔

واثق کے بعد متوکل باللہ خلیفہ ہوا۔ وہ اگرچہ محض ملایانہ طبیعت کا آدمی تھا۔ چنانچہ مناظرہ کے جلسے بالکل بند کرا دیے۔ لیکن ترجمہ کے کام پر اس کو بھی توجہ رہی۔ حنین بن اسحاق کو ترجمے کے محکمہ کا افسر مقرر کیا اور بہت سے زبان داں مترجم جن میں اصطفن بن بسیل اور موسیٰ بن خالد بھی داخل تھے، اس کی ماتحتی میں دیے۔ یہ لوگ ترجمہ کرتے

---

[1] مروج الذہب مسعودی ذکر خلافۃ واثق باللہ و طبقات الاطباء تذکرہ یوحنا بن ماسویہ۔

تھے اور حنین اُن کو اصلاح کی نظر سے دیکھتا تھا اور درست کرتا تھا[1]۔ متوکل نے
حنین کی قدردانی بھی بے انتہا کی۔ اس کے رہنے کے لیے خاص شاہی ایوانات میں
سے تین بڑے بڑے محل عنایت کیے اور اس خیال سے کہ آئندہ کوئی اس کے قبضہ
سے نکالنے نہ پائے، شرعی گواہی کرادی۔ یہ بھی حکم دیا کہ وہ ہر قسم کے اسباب وسامان
سے سجادی جائیں اور کتب خانہ بھی وہیں مہیّا کر دیا جائے۔ اس کے ساتھ پندرہ ہزار
ماہوار تنخواہ مقرر کردی۔ متوکل کے بعد عباسیوں کی سلطنت برائے نام رہ گئی۔ لیکن
اس سلسلہ سے الگ جو اسلامی حکومتیں قائم ہوتی گئیں ان کو ہمیشہ اس کام کی طرف توجہ رہی۔
سیف الدولہ کے دربار میں عیسیٰ رقی اس کام پر مامور تھا، اور سریانی سے عربی
میں ترجمہ کرتا رہتا تھا[2]۔ اندلس میں عبدالرحمٰن ناصر ترجمہ کا بڑا شائق تھا۔ چنانچہ اس کے
عہد کے بعض کارنامے آگے آئیں گے۔ ساسانی خاندان نے پہلوی زبان سے تاریخ کا
بہت کچھ سرمایہ مہیّا کیا تھا، اور درحقیقت یہی سرمایہ تھا جس سے فردوسی نے شاہنامہ
کی نقش آرائی کی۔ ہندوستان میں سلطان شاہ جب ۷۶۲ھ میں جوالا مکھی پہاڑ کی
سیر کو گیا تو معلوم ہوا یہاں کے کتب خانہ میں تیرہ سو (۱۳۰۰) سنسکرت کی قدیم تصنیفات
موجود ہیں۔ فیروز شاہ نے وہ کتابیں حضور میں طلب کیں اور ان کے ترجمے کا اہتمام
کیا۔ نجوم کی ایک کتاب کا ترجمہ عزّالدین نے نظم کیا، اور دلائل فیروزی نام رکھا۔ یہ
کتابیں اکثر موسیقی اور کشتی کے فن میں تھیں۔ عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ
میں لکھا ہے کہ ۱۰۰۰ھ میں جب لاہور پہنچا تو یہ ترجمہ شدہ کتابیں میری نظر سے
گذریں۔ اکبر شاہ کو سنسکرت کی کتابوں کا جو اہتمام تھا وہ عام طور سے مشہور ہے۔

---

[1] طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۱۸۹ [2] طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۱۴۰

خلفاء کے علاوہ اکثر ارباب دولت نے بھی اس صیغہ کو بہت وسعت دی اور ان میں سے بعضوں کا تذکرہ اس مقام پر ضرور ہے۔ اس فخر کا طرہ جس کے سر پر ہے وہ برامکہ کا خاندان ہے۔ اور انصاف یہ ہے کہ دولت عباسیہ میں جو کچھ کام ہوا اس کا بڑا حصہ برامکہ ہی کی بدولت تھا۔ اس خاندان کا مورث اعلیٰ برمک بلخ کے مشہور آتشکدہ کا جس کو مجوسی کعبہ کا جواب سمجھتے تھے، مہتمم اور افسر تھا۔ اس کا بیٹا خالد اسلام لایا اور دولت عباسیہ کے آغاز میں وزیر رہ کر منصور کے زمانہ میں قضا کی۔ خالد کا بیٹا یحییٰ بن خالد ہارون الرشید کے عہد تک وزارت پر ممتاز رہا۔ چونکہ یہ خاندان اصل میں مجوسی تھا اور آتش کدہ کے تعلق سے مجوسی کی کل قوم سے ان کو واسطہ رہا تھا، اس لیے فارسی کا سرمایہ علمی جس قدر وہ مہیا کر سکتے تھے، کوئی شخص نہیں کر سکتا تھا۔

ایک بڑا سبب ان کے زمانے میں ترجموں کی ترویج کا یہ ہوا کہ اسلام میں سب سے پہلے اسی خاندان نے عام جلسوں کی بنیاد ڈالی۔ یحییٰ بن خالد خود اپنے ہاں مناظرہ کی مجلس منعقد کراتا تھا، جس میں ہر فرقہ اور ہر قوم کے آدمی شامل ہوتے تھے اور جو نہایت ترتیب اور حسنِ انتظام سے انجام پاتی تھی۔ یحییٰ کے دربار میں ہشام بن حکم مشہور متکلم تھا جس کو مجلس کا سکرٹری مقرر کیا تھا[1]۔ یحییٰ پہلا شخص تھا جس نے ہندوستان کے پنڈتوں، فلاسفروں اور طبیبوں کو طلب کیا[2]۔ اور ان سے سنسکرت کی کتابوں کے ترجمے کرائے۔ کلیلہ دمنہ کا دوسرا ترجمہ جو عبداللہ بن اہوازی نے ۱۶۵ھ میں کیا یحییٰ کے حکم سے کیا۔ محیطی کا سب سے اوّل ترجمہ اسی کے

---

[1] کتاب الفہرست ۱۷۵ [2] ایضاً صفحہ ۲۴۵

حکم سے کیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یحییٰ خود ان فنون میں کمال رکھتا تھا۔ ابن الندیم نے لکھا ہے کہ جب مجسطی کے متعدد ترجمے اس کے سامنے پیش ہوئے تو اس نے سب کو ناپسند کیا اور ابو احسان و سلما کو حکم دیا کہ دوبارہ ان کی اصلاح کریں۔ چنانچہ ان دونوں نے بہت سے اعلیٰ درجہ کے مترجم جمع کیے اور ان کے ترجموں کا باہم موازنہ اور مقابلہ کر کے ایک نہایت عمدہ نسخہ مرتب کیا۔ برامکہ کے خاص مترجم سلام ابرش، عبداللہ بن ہلال، مالک، ہندو ابن دہن ہندو وغیرہ تھے۔ عمر بن فرخان جس کو رئیس المترجمین کا لقب حاصل ہے اسی دربار کا مترجم تھا۔

دوسرا خاندان جس نے ترجمہ کے کام میں مدد دی موسیٰ ابن شاکر کا خاندان ہے موسیٰ اصل میں ایک رہزن تھا، اور اسی پیشہ پر اس کی بسراوقات تھی۔ اخیر میں اس نے توبہ کی اور غالباً بہادری کے جوہر کی وجہ سے مامون کے دربار میں ملازم ہوگیا۔ چندروز کے بعد تین اولاد چھوڑ کر مر گیا۔ مامون کا ایک یہ بھی اصول تھا کہ وہ ہونہار نسلوں کی پرداخت اور تربیت بڑے اہتمام سے کرتا تھا۔ چنانچہ عجم کے بہت سے خاندان مثلاً سامانی خاندان آل طولون وغیرہ اسی کی وجہ سے بڑے بڑے مرتبہ پر پہنچے، اور ان کے ہاتھ سے بڑے بڑے کام انجام پائے۔ مامون نے موسیٰ کی اولاد کی تربیت بڑے اہتمام کے ساتھ کی۔ یہاں تک کہ جب وہ ایشیائے کوچک کی لڑائیوں میں مصروف تھا تو اس وقت بھی وہاں سے اُن کی خبر گیری کے متعلق اس کے احکام آتے رہتے تھے۔ غرض یہ تینوں بھائی جن کے نام محمد، حسن، احمد تھے، بڑے صاحب کمال ہوئے۔ محمد تمام علوم قدیمہ کا

ل؎ اس تمام تفصیل کے لیے دیکھو کتاب الفہرست صفحہ ۲۴۳، ۲۷۱ تاریخ الحکما، جمال الدین۔

ماہر تھا۔ احمد نے خاص میکانک کے علم میں وہ بات پیدا کی اور وہ مسائل ایجاد کیے کہ یونانیوں کے خیال میں نہیں آئے تھے۔ اس کی کتاب الحیل اس بات کی پوری دلیل ہے جس کو ہندسہ میں کمال تھا اور بہت سے مسائل ایجاد کیے تھے، جن میں سے ایک زاویہ کا تین مساوی حصّوں میں تقسیم کرنا ہے۔

اس فضل و کمال کے ساتھ ان کو یونانی علوم و فنون کے ترجمہ کی طرف توجہ ہوئی۔ اور اس میں اس قدر انہماک ہوا کہ اپنی تمام طاقت اس پر صرف کر دی۔ خوش قسمتی سے دولت اور مال نے بھی ان کا ساتھ دیا تھا، چنانچہ صرف بڑے بھائی کی سالانہ آمدنی چار لاکھ اشرفیاں تھیں۔ ان لوگوں نے ایشیائے کوچک کے تمام شہروں میں کارندے بھیجے اور بے شمار کتابیں بہم پہنچائیں۔ نہایت دُور دراز مقامات سے جہاں کسی مترجم کا پتہ لگا بلوا کر ترجمہ پر مامور کیا۔[۵۱] ثابت بن قرہ جو اپنے زمانے میں راس المترجمین تھا، اسی خاندان کا تربیت یافتہ تھا۔ ثابت نے علاوہ ترجمہ کے بہت سے قدیم ترجموں کی اصلاح کی، اور آج اکثر اس کی اصلاح کردہ کتابیں موجود ہیں۔ ثابت صرف مترجم نہیں بلکہ خود حکیم اور صاحبِ تصنیف تھا۔ اس کی تصنیفات سریانی زبان میں بھی موجود ہیں۔ ثابت کا ایک شاگرد عیسیٰ ابن اسید جو عیسائی مذہب رکھتا تھا، سریانی میں نہایت کمال رکھتا تھا۔ چنانچہ اس نے سریانی زبان کی بہت سی کتابیں ترجمہ کیں۔

ان لوگوں کے سوا جن قدردانوں نے ترجمہ کے صیغہ کو وسعت دی ان کے نام اور مختصر حالات ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوں گے:[۵۲]

---

۵۱ اس تمام تفصیل کے لیے دیکھو کتاب الفہرست صفحہ ۲۴۳ و ۲۷۱ تاریخ الحکما جمال الدین

۵۲ اس فہرست کے لیے دیکھو طبقات الاطبا جلد اول ۲۰۳

نام	کیفیت
محمد بن عبد الملک الزیات	یہ خلیفہ معتصم باللہ کا وزیر تھا۔ بہت سی یونانی کتابوں کے ترجمے اس کے اہتمام سے ہوئے۔ بڑے بڑے مشہور مترجم مثلاً یوحنا، جبریل، بختیشوع، داؤد بن سرابیون، سلمویہ، الیسع، اسرائیل بن زکریا، جیش بن الحسن وغیرہ نے اس کے لیے کتابیں ترجمہ کیں۔ اس کام میں اس کے دس ہزار ماہوار صرف ہوتے تھے۔
شیرشوع بن قطرب	جندی سابور کا رہنے والا تھا، مترجموں پر نہایت فیاضی کرتا تھا۔ اس نے زیادہ تر سریانی زبان سے ترجمے کیے۔
علی بن یحییٰ معروف المنجم	مامون کا منشی اور ندیم تھا۔ اس کو خاص طب کی کتابوں کی طرف میلان تھا۔
ثادری	یہ بغداد کا بشپ تھا، کتابوں کے جمع کرنے اور ترجمہ کرانے کا نہایت شائق تھا۔
محمد بن موسیٰ عبد الملک	یہ خود بہت بڑا فاضل تھا اور کتابوں کی خوبی اور برائی کی نہایت صحیح جانچ کرتا تھا۔
عیسیٰ ابن یونس کاتب	عراق کا رہنے والا تھا، یونانی کتابوں کا زیادہ تر شائق تھا۔
احمد بن محمد المعروف بہ ابن الدبر	مترجموں کو بیش انعام اور صلے دیتا تھا۔
علی المعروف بہ قیوم	ایضاً

ابراہیم بن علی بن موسیٰ الکاتب	خاص کر یونانی کتابوں کا زیادہ شائق تھا۔
عبداللہ بن اسحٰق	ترجمہ کے ساتھ اس کو بے حد شغف تھا۔
بختیشوع بن جبریل	بغداد کے تمام اطبا میں کوئی شخص دولت و مال کے لحاظ سے اس کا ہمسر نہ تھا۔ دس پندرہ لاکھ روپیہ سال کی آمدنی تھی۔ جالینوس کی اکثر کتابیں اس کے لیے ترجمہ کی گئیں۔

رفتہ رفتہ اس مذاق کو اس قدر ترقی ہوئی کہ سلاطین اور امراء کی طرف سے کسی قسم کی ترغیب اور تحریص کی ضرورت نہیں رہی۔ اکثر ارباب کمال خود اپنے شوق سے غیر زبانیں سیکھتے تھے اور کتب علمیہ کے ترجمے کرتے تھے۔ ان میں سے سعید بن یعقوب جو ۳۰۲ھ میں بغداد اور مکہ و مدینہ کے ہسپتالوں کا انسپکٹر جنرل تھا اور متی ابن یونان المتوفی ۳۲۸ھ جس نے سریانی زبان سے بہت سی کتابیں ترجمہ کیں اور یحییٰ بن عدی جو حکیم فارابی کا شاگرد اور سریانی زبان کا بہت بڑا ماہر تھا اور ابو علی بن زرعہ جو بہت بڑا منطقی اور مترجم تھا زیادہ مشہور ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن ابی اصیبعہ نے ان کے حالات کسی قدر تفصیل سے لکھے ہیں۔

اخیر زمانے میں مختلف اسباب کی وجہ سے سنسکرت کے علمی خزانوں پر زیادہ دسترس ہوا۔ سلطان علی مرد کے زمانے میں ایک پنڈت جس کا نام بھوجہ تھا مسلمانوں سے مباحثہ کرنے کے لیے بنارس سے روانہ ہوا، اور شہر الکفوت پہنچ کر قاضی رکن الدین سمرقندی سے ملاقات کی۔ مباحثہ کا ارادہ چھوڑ کر قاضی صاحب سے

عربی پڑھنا شروع کی، اور ایک کتاب جس کا نام انبرت کنڈ تھا، ان کی خدمت میں نذر گذاری، قاضی صاحب نے اس کے مطالب سُنے تو ایسے گرویدہ ہوئے کہ بھوجر سے سنسکرت پڑھنی شروع کی۔ سنسکرت میں کمال حاصل کر کے اس کتاب کا ترجمہ کیا، لیکن بعض مقامات ناحل شدہ رہ گئے۔ اتفاق سے بھوجر کا ایک شاگرد جس کا نام ابھوآناتھ تھا، ہندوستان سے چل کر اس طرف آنکلا۔ ایک سنسکرت داں عالم نے اس سے یہ کتاب پڑھی اور عربی زبان میں اس کا دوبارہ ترجمہ کیا اور مراۃ المعانی لادراک العالم الانسانی اس کا نام رکھا[1]۔ میں نے خود اس ترجمہ کا ایک قدیم نسخہ دیکھا ہے۔

محمد بن اسماعیل تنوخی ایک عالم نے ہیئت و نجوم سیکھنے کے لیے خود ہندوستان کا سفر کیا اور برسوں وہاں رہ کر ان علوم کی تحصیل کی۔ اس قسم کی اور بھی مثالیں ہیں لیکن اس سلسلہ میں ابوریحان بیرونی کا قدم سب سے آگے ہے پروفیسر زخاؤ جرمنی کا نہایت مشہور عالم ہے۔ اس نے بیرونی کی کتاب الہند کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ سکندر کے ساتھ جو یونانی مصنف موجود تھے، اُنھوں نے ہندوستان کے متعلق کچھ لکھا ہے۔ چینی مسافروں نے بھی خود اپنی ذاتی واقفیت سے اس ملک کے حالات قلمبند کیے۔ لیکن ابوریحان بیرونی نے جب ہندوستان کا سفر کر کے وہاں کے علوم و فنون اور رسم و عادت پر کتاب لکھی تو پچھلی تمام تصنیفیں بازیچۂ اطفال بن گئیں۔

ابوریحان بڑا ریاضی داں عالم تھا، اور شیخ بو علی سینا کا معاصر اور بہت سے

---

[1] جامع القصص الهندیہ۔

علوم میں اس کا حریف مقابل تھا اس نے ہندوؤں کے علوم حاصل کرنے کے لیے جو محنتیں اُٹھائیں وہ حقیقت میں تعجب انگیز ہیں۔ اس کا بیان ہے: "اس زبان کے سیکھنے میں مجھ کو نہایت مصیبتیں پیش آئیں۔ ہندوؤں کا تعصب اس قدر بڑھا ہوا ہے جس کی کچھ انتہا نہیں۔ وہ ہم مسلمانوں کو ملیچھ کہتے ہیں۔ ہم سے جو چیز چھو جائے، ان کے نزدیک ناپاک ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے بچوں کو ہمارے نام سے ڈراتے ہیں اور ہم کو شیطان کہتے ہیں۔ ان سب باتوں کے ساتھ وہ تمام دنیا کو جاہل اور وحشی سمجھتے ہیں۔ ایک بڑی مشکل یہ تھی کہ ہندو اس کو کتابوں کے دینے میں نہایت بخل کرتے تھے۔ حالانکہ وہ کتابوں کے خریدنے میں بے دریغ روپیہ خرچ کرتا تھا۔ غرض تمام مشکلات کے ساتھ جس طرح اس نے سنسکرت زبان حاصل کی۔ بہت سی کتابوں کے ترجمے کیے۔ بعض کے خلاصے لکھے۔ چنانچہ ان کا بیان آگے چل کر ہم تفصیل سے لکھیں گے۔

مترجموں کا بے شمار گروہ جو رات دن ترجمے کے کام میں مصروف تھا۔ اگرچہ ہم اُن کے نام اور حالات استقصار کے ساتھ نہیں بتا سکتے تاہم مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ کی بنا پر ہم اُن کی ایک اجمالی فہرست حروفِ تہجی کی ترتیب سے لکھتے ہیں۔

مترجمین زبانِ فارس

نام	کیفیت
عبداللہ بن المقفع	اس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔

نام	کیفیت
فضل بن نوبخت	فہرست ۲۷۴
ابو سہل اسمٰعیل بن علی نوبخت	بہت بڑا عالم تھا، اس کے ہاں متکلمین کی مجلس منعقد ہوا کرتی تھی۔ بہت سی کتابیں اسکی تصنیف ہیں (فہرست ۱۷۶)
حسن بن موسیٰ بن اخت ابی سہل	اس کے ہاں اکثر مترجمین مثلاً ابو عثمان دمشقی۔ اسحاق ثابت وغیرہ کا مجمع رہتا تھا (فہرست ۱۷۷)
حسن بن سہل	مشہور منجم تھا (فہرست ۲۴۴ و ۲۷۵)
موسیٰ ابن خالد	داؤد بن عبداللہ بن حمید بن قحطبہ کے ہاں ترجمہ کے کام پر مامور تھا (فہرست ۲۴۴)
یوسف بن خالد	ایضاً
ابو الحسن علی بن زیاد التمیمی	شہریار کی زیچ کا اس نے ترجمہ کیا تھا (فہرست ۲۴۴)
احمد بن یحییٰ البلاذری	مشہور مورخ ہے، فتوح البلدان جس کے اکثر حوالے میری تصنیف میں ہیں، اسی کی تصنیف ہے (فہرست ۲۴۴)
جبلہ بن سالم	اوپر گذر چکا۔
اسحاق بن یزید	سیرۃ الفرس اس نے ترجمہ کی تھی (فہرست ۲۴۵)
محمد بن جہم البرمکی	مشہور مصنف ہے (فہرست ایضاً)
ہشام بن القاسم	(")
موسیٰ ابن عیسیٰ الکردی	(")
زادویہ بن شاہویہ الاصفہانی	ایران کی تاریخیں جو اس نے ترجمہ کیں، اکثر اس کے حوالے

نام	کیفیت
	کتابوں میں مذکور ہیں (فہرست ایضاً)
محمد بن بہرام بن مطیار الاصفہانی	(")
بہرام بن مردان شاہ	نیشاپور کا موبد موبدان تھا (فہرست ایضاً)
عمر بن فرخان الطبری	اوپر گذر چکا۔
عبداللہ بن علی	(فہرست ۳۰۲)
سہل بن ہارون	اوپر گذر چکا۔
سعید بن ہارون	"
اسحاق بن علی	(فہرست ۳۱۵)
عبداللہ بن ہلال اہوازی	مترجم کلیلہ دمنہ لکبیرامکہ

مترجمین زبان سریانی

نام	کیفیت
ماسرجیس یہودی	
عیسیٰ بن ماسرجیس	اوپر گذر چکا۔
ہشدی کرخی	"
ابن ہشدی کرخی	بقراط کی کتاب الاجنہ کا اس نے ترجمہ کیا تھا۔
ایوب الرہاوی	نہایت عمدہ ترجمہ کرتا تھا۔
یوحنا بن بختیشوع	

۱؎ دیکھو کتاب الفہرست صفحہ ۲۴۴ و طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۲۰۲، ۲۰۴

نام	کیفیت
منصور بن باناس	سریانی زبان عمدہ جانتا تھا۔
مرلاحی	علامہ ابن الندیم کا معاصر تھا۔
داریشوع	اسحاق بن سلیمان کے مترجموں میں تھا۔
ایوب بن قاسم الرقی	ایساغوجی کا ترجمہ اسی نے کیا تھا۔
متی بن یونانی	اوپر گذر چکا ہے۔

مترجمین زبان سنسکرت

منکہ	اوپر گذر چکا۔
ابن دھن	اس کے باپ کا نام دھن تھا اور اس کی طرف منسوب ہوکر یہ ابن دھن کہلاتا تھا۔ بغداد کے ہسپتال کا جس کو یرامکہ نے قائم کیا افسر تھا (فہرست ۲۴۵)
اسمٰعیل تنوخی	
ابو ریحان بیرونی	اوپر گذر چکا۔
فیضی	اکبر کے دربار کا مشہور شاعر تھا۔

مترجمین زبان یونانی، لاطینی اور سریانی

اصطفن	اوپر گذرا۔
بطریق	منصور کے دربار کا مشہور مترجم تھا۔

نام	کیفیت
یحییٰ بن بطریق	مذکور الصدر کا فرزند حسن بن سہل (وزیر مامون الرشید) کے دربار میں تھا۔
حجاج بن مطر	مشہور مترجم، مجسطی اور اقلیدس کا ترجمہ اسی نے کیا۔
عبدالمسیح ابن ناعمۃ الحمصی	
سلام الابرش	برامکہ کا مشہور مترجم
حبیب بن بہریز	موصل کا بشپ تھا۔ مامون الرشید کے لیے ترجمے کیے۔
زروبابن ماتحوہ الحمصی	عمدہ ترجمہ کرتا تھا۔
ہلال بن ابی الحمصی	فصیح و بلیغ نہ تھا لیکن ترجمہ صحیح کرتا تھا۔
فیثون	اس کے ترجمے میں غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ عربی نہیں جانتا تھا۔
تذاری	
ابونصر بن ادی بن ایوب	
بسیل	بہت سی کتابیں ترجمہ کیں۔ عمدہ ترجمہ کرتا تھا۔
ابونوح بن الصلت	
اسطاث	متوسط درجہ کا مترجم تھا۔
جبرون بن رابطہ	
اصطفن بن بسیل	حنین کے قریب قریب ترجمہ کرتا تھا۔
ابن رابطہ	

نام	کیفیت
موسی خالد	جالینوس کی اکثر کتابیں ترجمہ کیں۔
تیوفیلی	
شملی	
عیسیٰ بن نوح	
ابراہیم توبری	بہت بڑا منطقی تھا، متی بن یونان اسی کا شاگرد تھا۔
قدرس	فلسفہ کی کتابیں ترجمہ کیں۔
داریع راہب	
ہیابیشون	
صلیبیا	
ایوب رہادی	
ثابت بن قمع	
ایوب	
سمعان	یہ دونوں محمد بن خالد یحییٰ برمکی کے ہاں ملازم تھے۔
باسیل	طاہر ذوالیمینین کے ہاں ملازم تھا۔
ابوعمر حنا بن یوسف	فلاطون کی کتاب آداب الصبیان کا ترجمہ اسی نے کیا تھا۔
قسطا بن لوقا البعلبکی	مشہور مترجم
حنین بن اسحاق	
اسحاق بن حنین	مشہور مترجم

نام	کیفیت
ثابت بن قرہ	مشہور مترجم تھا۔
حبیش الاعم	مشہور مترجم حنین بن اسحاق کا بھانجہ تھا
عیسیٰ بن یحییٰ بن ابراہیم	حنین بن اسحاق کا شاگرد
ابراہیم بن الصلت	متوسط درجہ کا ترجمہ کرتا تھا۔
ابراہیم بن عبداللہ	
یحییٰ بن عدی	مشہور مترجم
تغلی	
سرجس	راس العین کا رہنے والا تھا۔ حنین نے اس کے ترجموں کی اصلاح کی ہے۔
یوسف بن عیسیٰ المتطبب	خوزستان کا رہنے والا تھا۔
ثابت الناقل	جالینوس کی کتاب الکیموس اسی نے ترجمہ کی
قیضا الرہادی	حنین کا مددگار تھا۔
عبدیشوع بن بہریز	
ابوسعید سعید بن یعقوب	مشہور مترجم
ابراہیم بن بکس	مشہور طبیب اور مترجم تھا۔
ابوالحسن علی بن ابراہیم	باپ کا ہمسر تھا۔

ترجمہ کا طریقہ اور اُس کی صحت

ترجمہ کا اوّل اوّل طریقہ یہ تھا کہ اصل میں جو لفظ ہوتا تھا، اُس کے ہم معنی الفاظ ڈھونڈ کر لفظی ترجمہ کرتے جاتے تھے۔ چنانچہ یوحنا بن البطریق اور ابن ناعمہ حمصی کا یہی طرز تھا۔ لیکن اس میں دو دقتیں تھیں۔ اوّلاً تو ہر لفظ کے مقابل میں ایسا لفظ ملنا جو تمام خصوصیتوں کے لحاظ سے اس کا ہم معنی ہو ناممکن یا قریب ناممکن کے ہے۔ دوسرے لفظی ترجمہ سے مطلب اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ ان خرابیوں کو دیکھ کر دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا۔ یعنی یہ کہ پوری عبارت کا مطلب عبارت میں ادا کرتے تھے۔

غالباً یہ طریقہ حنین سے شروع ہوا، اور پھر اور لوگوں نے بھی تقلید کی لیکن چونکہ اکثر ترجمے پہلی قسم کے بھی موجود تھے۔ اس لیے اصلاح کا طریقہ ایجاد ہوا۔ یعنی ان ترجموں میں جہاں جہاں ابہام اور پیچیدگیاں تھیں رفع کر دی گئیں۔ چنانچہ بڑے بڑے نامور مترجم مثلاً ثابت بن قرہ یحییٰ بن عدی وغیرہ نے ترجمہ سے زیادہ پچھلے ترجموں کی اصلاحیں کیں اور درحقیقت ان اصلاحوں سے بڑا فائدہ ہوا۔[1]

آج کل یورپ کے ناسپاس مصنف طعنہ دیتے ہیں کہ مسلمانوں نے علمی دنیا پر جو کچھ کیا وہ صرف اس قدر کہ یونانی کتابوں کو بعینہٖ عربی میں ترجمہ کر دیا جس سے یونانی کتابیں محفوظ رہ گئیں۔ لیکن وہ اس بات کو نظرانداز کرتے ہیں کہ مسلمانوں

---

[1] ترجمے کے ان دونوں طریقوں کا ذکر بہاء الدین عاملی نے اپنی کشکول میں بحوالہ صلاح الدین صفدی کیا ہے۔

نے صرف اسی قدر نہیں کیا بلکہ دنیا کو ان کتابوں کے مطالب سمجھا دیے جو خود یونان کے شارحوں نے نہیں سمجھے تھے۔ ارسطو و افلاطون کی تحریر کا یہ طرز تھا کہ دانستہ مضمون کو پیچیدہ طور پر ادا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ خود ارسطو نے جب کسی قدر اپنی تحریرات میں توضیح سے کام لیا تو افلاطون نے نہایت زجر کے ساتھ اس کو خط لکھا کہ تم علم کو متبذل اور پامال کرتے ہو۔ ارسطو نے جواب میں لکھا کہ میں نے پھر بھی ایسی پیچیدگیاں رکھی ہیں کہ اکثر لوگ اصل مطلب کی تہ کو نہیں پہنچ سکتے۔

یہی وجہ تھی کہ خود یونانی مصنفوں نے ان دونوں حکیموں کے مطلب سمجھنے میں غلطیاں کیں، اور رفتہ رفتہ دو جدا فرقے پیدا ہو گئے۔ حکیم ابو نصر فارابی نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام الجمع بین الرائین ہے۔ یہ کتاب یورپ میں چھپ گئی ہے۔ اس میں حکیم مذکور نے دکھایا ہے کہ افلاطون و ارسطو کا طرزِ تحریر کیا تھا اور اس کی وجہ سے زمانۂ بعد میں یونان وغیرہ کے مصنفین نے کیسی غلطیاں کیں۔ فارابی نے پھر ان غلطیوں کو درست کیا ہے اور ارسطو و افلاطون کی عبارتوں کا حل کر کے بتایا ہے۔ ان دونوں حکیموں میں کچھ اختلاف نہیں۔

ترجموں کی درستی اور صحت میں جو اہتمام بلیغ کیا جاتا تھا، اس کا اندازہ کرنے کے لیے اس مقام پر ایک واقعہ نقل کرنا کافی ہوگا۔ مفرد دواؤں کے بیان میں یونان کی سب سے عمدہ تصنیف ولیسقوردس کی کتاب ہے۔ یہ کتاب المتوکل باللہ کے زمانہ میں اصطفن بن بسیل نے ترجمہ کی اور حنین نے اس پر نظرِ ثانی کر کے درست کیا۔ لیکن جن دواؤں کے نام عربی میں نہ تھے اُن کے نام یونانی رہنے دیے۔ یہی ترجمہ اسپین پہنچا۔ لیکن یونانی الفاظ کی وجہ سے عام طور پر لوگ

متمتع نہیں ہو سکتے تھے۔ ۳۳۷ھ میں جو عبدالرحمن ناصر کی حکومت کا زمانہ تھا قیصر روم نے (جس کا نام مارنیس تھا) اصل کتاب جس میں دواؤں اور بوٹیوں کی تصویریں بھی بنی ہوئی تھیں، عبدالرحمن کو تحفہ میں بھیجی۔ عبدالرحمن کے دربار میں اگرچہ لاطینی زبان جاننے والے موجود تھے لیکن قدیم زبان بالکل متروک ہو گئی تھی، اس وجہ سے اطباء اور حکماء جو اس کتاب کے حل کرنے کے نہایت شائق تھے، یونانی الفاظ میں مجبور ہو جاتے تھے۔ عبدالرحمن نے خط لکھ کر قیصر روم کے ہاں سے ایک عیسائی عالم کو بلوایا، جو یونانی اور لاطینی دونوں زبانوں کا ماہر تھا، ۳۴۰ھ میں وہ دربار میں پہنچا اور اطبائے اسلام مثل محمد شجار، ابن جلجل، لبیاسی، ابوعثمان خزاز، محمد بن سعید، عبدالرحمن بن اسحاق، ابوعبداللہ الصقلی نے نہایت شوق اور توجہ سے یہ کتاب اس سے پڑھنی شروع کی۔ اس مجمع نے نہایت غور و تحقیق و تجربہ سے خود قرطبہ (کارڈوا) میں ان تمام مجہول دواؤں کے پتے لگائے اور ان کے ناموں کی تصحیح کی۔ ابن جلجل جو ان تمام طبیبوں میں نہایت نامور تھا اس نے ایک مفصل شرح اس کتاب پر لکھی اور اس کے تمام مقامات حل کیے۔ ابن جلجل نے ایک اور کتاب لکھی جس میں صرف ان دواؤں کی تفصیل کی تھی جو اس کتاب میں مذکور نہ تھیں[1]۔

ترجمہ کی صحت اور غلطی پر یورپ کے علماء نے بہت بحثیں کی ہیں۔ اور چونکہ بدقسمتی سے ہم مسلمان یونانی وغیرہ سے بے بہرہ ہیں، اس لیے ہم کو اس باب میں یورپ ہی کا دست نگر ہونا پڑتا ہے۔ گبن صاحب لکھتے ہیں کہ ان ترجموں کی

---

[1] دیکھو طبقات الاطبا تذکرہ ابن جلجل الاندلسی۔

غوبی پرناوٹ نے خوب بحث کی ہے اور کارٹی نے دیانت داری سے اس کی حمایت کی ہے۔" لوئیس صاحب نے ہسٹری آف فلاسفی میں لکھا ہے کہ مونک کہتا ہے کہ بعض ترجمے نہایت خوبی سے کیے گئے۔ فرانس کے نہایت نامور مصنف پروفیسر مونک جس نے مسلمانوں اور یہودیوں کے فلسفہ اور اس کے باہمی ربط پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے اور جو مدت تک میرے مطالعہ میں رہی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ جن مصنفوں نے مسلمانوں کے ترجموں پر بےرحمانہ اعتراضات کیے ہیں، اس کی یہ وجہ ہے کہ انھوں نے اصل عربی ترجمے نہیں دیکھے بلکہ ان ترجموں کے ترجمے جو عربی سے لیٹن زبان میں کیے گئے دیکھے ہیں۔[1]

ترجموں کی صحت و غلطی کا تو ہم مجتہدانہ فیصلہ نہیں کر سکتے اور اسی وجہ سے ہم نے اس بحث میں صرف یورپ کی تقلید کی، لیکن یہ امر ہر شخص کو صاف نظر آتا ہے کہ مسلمانوں نے ترجمہ کو اصل زبان سے کس قدر آزاد کر دیا۔ آج انگریزی زبان کس قدر وسیع ہو گئی ہے لیکن علمی اصطلاحات میں وہی تمام یونانی الفاظ قائم ہیں، اگرچہ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ تمام یورپ میں مشترک اصطلاحوں کا قائم رہنا ضروری ہے اور وہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ یونانی الفاظ بعینہٖ قائم رکھے جائیں۔ بہرحال عربی ترجمے اس غلامی سے بالکل بری ہیں۔ منطق، فلسفہ، ہیئت، ہندسہ، طب میں سیکڑوں ہزاروں اصطلاحی الفاظ تھے۔ لیکن ان سب کے مقابل میں عربی کے ایسے مناسب الفاظ انتخاب کیے گئے گویا یہ علوم اسی زبان میں پیدا ہوئے تھے۔

---

[1] کتاب مذکور صفحہ ۳۱۴

یونانی الفاظ سے تو ملک بالکل ناآشنا ہے، لیکن فارسی میں جو اصطلاحیں اسلام سے پہلے موجود تھیں اور جو دساتیر[1] میں مذکور ہیں اور ان کے مقابل عربی اصطلاحات کو ہم اس موقع پر نمونہ کے لیے لکھتے ہیں[2]۔ جس سے ظاہر ہو گا کہ اصطلاحی الفاظ کا کس خوبی سے ترجمہ کیا گیا تھا۔

اصطلاحات فلسفہ وطب وغیرہ

پہلوی	عربی	پہلوی	عربی
کسی	تشخیص	زنجیر	تسلسل
نو شد	حادث	آمیغ	حقیقت
فرزہ	صفت	جدا شناس	فصل
پرتوی	اشراقی	رہبر	دلیل
رہبری	مشائی	ہمادی	کلی
برین فرہنگ	الٰہیات	پاز تازی	جزوی

[1] اُن صحیفوں کے مجموعہ کا نام ہے جو آتش پرستوں کے اعتقاد میں زردشت وغیرہ پر اُترے۔

[2] لیکن یہ خیال رکھنا چاہیے کہ یورپ کے محقق جنہوں نے ژند اور پہلوی زبان میں کمال پیدا کیا ہے، ان کی رائے یہ ہے کہ دساتیر ایک جعلی کتاب ہے اور اسلام کے بہت بعد تصنیف کی گئی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو میرے مضمون کا یہ حصہ بیکار گیا۔

پہلوی	عربی	پہلوی	عربی
مایہ	ہیولیٰ	اوچیز	ہیویت
پیکیہ	صورت	چار آمیزہ	اخلاط اربعہ
بایستہ ہستی	واجب الوجود	جنبش شمپوری	حرکت قسری
شائستہ ہستی	ممکن الوجود	بازگیر	اعتراض
نخستین انداز خرد	بالبداہتہ	کنور	علّۃ
نابائے	محال	اشکیود	مرکب
چرخہ	دَور	کاموس	بسیط

یونانی ولاطینی الفاظ عربی ترجموں میں خال خال اب بھی موجود ہیں۔ مثلاً اصطلاحات طبی میں کیموس، کیلوس، مالیخولیا، تریاق، نقرس، قولنج وغیرہ لیکن صرف گویا اس بات کی یادگار ہیں کہ ان الفاظ کا ماخذ یونان ہے۔

غیر قوموں کے علوم و فنون جو ترجمہ کے ذریعہ سے عربی زبان میں آئے

مذکورہ بالا تفصیل کے بعد اب ہم ایک ایک زبان کے متعلق تفصیلی گفتگو کریں گے۔ چونکہ مسلمانوں نے سب سے زیادہ یونان کے علمی ذخیرے کے ساتھ اعتنا کیا۔ اس لیے اول اسی سے شروع کرتے ہیں۔ پھر فارسی، سُریانی، قبطی، سنسکرت وغیرہ کے متعلق لکھیں گے۔

یونان

فلسفہ

یونانی فلسفہ کی ابتدا تھیلیز (THALES) سے ہوئی۔ جس کو اہل عرب طالیس کہتے ہیں۔ یہ حکیم حضرت عیسیٰ سے ۶۲۰ برس قبل پیدا ہوا۔ اس نے مصر میں تعلیم پائی تھی اور وہیں یہ اصول سیکھا تھا کہ تمام اشیاء پانی سے پیدا ہوئیں۔ اس فلسفہ کو آیونک فلاسفی کہتے ہیں۔ اس کے بعد فلسفہ کی بہت سی شاخیں نکلیں اور بڑے بڑے حکماء پیدا ہوئے۔ فلسفہ یونانی کا یہ سلسلہ ۵۲۲ء تک جاری رہا، یعنی جبکہ ایتھنز کا اسکول اسی سنہ میں قیصر روم جسٹن کے حکم سے بند کردیا گیا۔ اس ممتد دور کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ قدیم، جدید اور قدیم کی انتہا افلاطون پر ہوئی ہے، اور ارسطو سے دور جدید شروع ہوتا ہے۔ قدماء میں سات بڑے حکیم جو حکمت (فلسفہ کے ستون کہلاتے ہیں THOLES طالیس ایندوقلس UPENDROELAS انکساغورس ANOXAGORAS PHTHAGORAS فیثاغورث SOCRATES سقراط PLATON افلاطون۔

فیثاغورث کے زمانہ تک تصنیف کا چنداں رواج نہ تھا اور یہی وجہ ہے کہ انگریزی میں ہسٹری آف فلاسفی کے عنوان سے جو کتابیں لکھی گئیں ان میں حکماء کی تصنیفات کے بہت کم نام ملتے ہیں۔ تاہم ان کے فلسفیانہ اصول اور مسائل محفوظ تھے اور مسلمانوں نے ان سے پوری واقفیت حاصل کی۔ علامہ شہرستانی نے طالیس،

انکساغورس، انکسانس، اینبذقلس کے اصول پر مفصل گفتگو کی ہے، اور غالباً یورپین تصنیفات میں اصولِ مسائل کے متعلق اس سے زیادہ تفصیل نہیں مل سکتی۔

اینبذقلس کا فلسفہ مسلمانوں میں زیادہ مقبول ہوا۔ اُس کی تصنیفات عربی میں ترجمہ کی گئیں۔ محمد بن عبداللہ کو جو قرطبہ کا رہنے والا تھا اینبذقلس کی تصنیفات کا اس قدر شوق تھا کہ ہمیشہ اپنے مطالعہ میں رکھتا تھا۔ ابوالہذیل علاف جو مسلمانوں میں علم قدیم کا بہت بڑا فاضل تھا اور خلیفہ مامون الرشید کا اُستاد تھا، صفات باری تعالیٰ کے متعلق اسی حکیم کے خیالات کا پیرو تھا[۱]۔ اینبذقلس ہی پہلا شخص ہے جو اربعہ عناصر کا قائل ہوا، اور وہی خیال اب تک مسلمانوں میں چلا آرہا ہے۔

فیثاغورث المتولد ۵۸۱ھ قبل مسیح نے فلسفہ کو نہایت اہمیت دی۔ یہاں تک کہ اس علم کا یہ نام اسی کے عہد میں ایجاد ہوا۔ اس کی تصنیفات جس قدر مل سکیں بہم پہنچائی گئیں اور ترجمہ کی گئیں۔ چنانچہ ان میں سے جو علامہ ابن الندیم کے زمانہ یعنی چوتھی صدی کے وسط تک موجود تھیں، حسب ذیل ہیں:

رسالۃ فی السیاسۃ العقلیۃ، رسالۃ الی متمرو صقلیۃ، رسالۃ الی سیفانس فی استخراج المعانی[۲]۔ ابن ابی اصیبعہ نے ان کتابوں کے علاوہ مفصلۂ ذیل کتابوں کا بھی نام لیا ہے۔ کتاب ارثماطیقی، کتاب الالواح، کتاب فی النوم والیقظہ، کتاب فی کیفیۃ النفس والجسد، الرسالۃ الاہلیۃ۔ املتحن نے ان کتابوں کو جو شرحیں لکھی تھیں ان کا بھی عربی ترجمہ کیا گیا۔

---

[۱] طبقات الاطبا صفحہ ۳، جلد اول [۲] فہرست ابن الندیم صفحہ ۲۴۵

سقراط المتوفی ۳۹۹ ؁ قبل مسیح، فلسفہ کا باپ تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس نے اگرچہ مستقل کتابیں نہیں تصنیف کیں۔ کیونکہ وہ تحریری تصنیف کا مخالف تھا۔ تاہم تعلّم و تعلیم کے وقت اس نے فلسفہ کے مسائل پر جو تقریریں کیں، اس کے شاگردوں نے اکثر محفوظ رکھیں اور وہ رسالوں کی شکل میں مرتب ہو کر اس کی طرف منسوب ہیں، چنانچہ نفس کو فلسفہ کے متعلق پہیلیوں کے طور پر جو اسرار لکھے، اس کو شہرستانی نے اپنی کتاب میں گویا بعبارتہ نقل کیا ہے۔ اس کے سوا اس نے اپنے عزیزوں کو جو تحریر لکھی اور پالیٹکس پر اس کی جو رائے تھی اس کی تصنیفات میں منسوب ہیں اور عربی میں ان کا ترجمہ موجود ہے۔

افلاطون المتوفی ۳۴۷ ؁ قبل مسیح نے فلسفہ کا بالکل ایک نیا اسکول قائم کیا۔ اس نے پانچ برس تک سقراط سے تعلیم حاصل کی۔ سقراط کے مرنے پر مصر گیا اور فیثاغورث کے شاگردوں سے استفادہ کیا۔ پھر ایتھنز میں آکر ایک دارالعلوم قائم کیا اور فلسفہ پر لکچر دینے شروع کیے۔ اس نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ تصنیفات میں اس کا خاص طرز یہ تھا کہ فرضی اشخاص کی زبان سے مسائل بیان کرتا تھا اور کتاب کا نام بھی انہی لوگوں کے نام پر رکھتا تھا۔ افلاطون کی تصنیفات جو عربی میں ترجمہ کی گئیں، ان کی تفصیل نقشۂ ذیل سے معلوم ہو گی:

نام کتاب	مضمون	مترجم یا مفسّر
کتاب السیاسۃ	پالٹیکس	حنین بن اسحٰق
کتاب النوامیس	قانون	حنین و یحییٰ بن عدی
کتاب بنام سوفسطیس	—	اسحٰق

نام کتاب	مضمون	مترجم یا مفسّر
کتاب بنام طیاوس	مابعد الطبیعۃ	یحییٰ بن بطریق وحنین بن اسحٰق
اصول ہندسہ	جامیٹری کے اصول	قسطا بن لوقا

ان کتابوں کے سوا ابن ابی اصیبعہ نے اور بہت سی کتابوں کے نام گنوائے ہیں، جن کا مجموعہ ۳۶ تک پہنچتا ہے۔

اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ افلاطون مطالب کو دانستہ نہایت پیچیدہ طریقہ سے بیان کرتا تھا، اس لیے خود یونانی حکما نے اس کے مطلب سمجھنے میں اکثر غلطیاں کیں، لیکن حکمائے اسلام خصوصاً فارابی نے نہایت صحت وخوبی سے ان کی تشریح کی۔

ان سات حکماء کے سوا اس دور میں اور اس دور کے بعد اور بھی اہل کمال گذرے جن کو فلسفیت کی حیثیت حاصل تھی۔ مثلاً ارستیپ المتولد ۲۳۵ قبل مسیح جو سقراط کا شاگرد تھا اور جس کا فلسفہ صرف لذت وعیش پر مبنی تھا اور ہرقلس (HERACLES) المتولد ۵۰۰ قبل مسیح جو پہاڑوں میں زندگی بسر کرتا تھا اور دیمقراطیس (DEMOCRITES) جو اجزائے لا یتجزیٰ کا قائل تھا اور کرستوفانس (CRISTOPHANES) المتولد ۶۱۷ ق م۔ لیکن ان حکما کی مستقل تصنیفات نہ تھیں۔ البتہ ان کے اصول اور مسائل جو ان کے ہم عصروں یا شاگردوں نے محفوظ رکھے تھے موجود تھے اور وہ عربی زبان میں ترجمہ کیے گئے۔ چنانچہ ان تمام حکما کے فلسفہ کو شہرستانی اور جمال الدین قفطی اور ساعد اندلسی نے تفصیل سے لکھا ہے، اور میرا خیال ہے کہ یورپ کی تصنیفات میں بھی اس سے

زیادہ نہیں مل سکتا۔

حکمائے متاخرین کا دور ارسطو المتولد ٣٨٤ سے شروع ہوتا ہے۔ وہ امام الفلسفہ کے لقب سے مشہور ہے اور درحقیقت وہ اس لقب کا مستحق نہ تھا۔ یورپ نے اکثر طعنہ دیا ہے کہ مسلمانوں نے صرف کے فلسفہ سے واقفیت حاصل کی، ہمیشہ اسی کا کلمہ پڑھتے رہے۔ یونان کے اور نامور حکماء سے وہ بہت کم واقف ہیں۔ اگرچہ یہ اعتراض درحقیقت یورپ کی کوتاہ نظری کا نتیجہ ہے مسلمانوں نے ارسطو کے سوا تمام اور حکماء کے فلسفیانہ مسائل کا جو ذخیرہ بہم پہنچایا، آج یورپ میں اس سے زیادہ سرمایہ مہیا نہیں کر سکتا۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اور حکماء کی بہ نسبت مسلمانوں نے ارسطو کے فلسفہ کے ساتھ زیادہ اعتنا کی جس کے مختلف اسباب تھے۔ اول تو ارسطو سے پہلے تصنیف و تالیف کا منتظم طریقہ نہیں قائم ہوا تھا۔ اس واسطے حکما کے قدیم خیالات اور مسائل اچھی طرح منضبط نہیں تھے۔ افلاطون نے تصنیف کو زیادہ ترقی دی۔ لیکن وہ مضامین کو نہایت پیچیدہ طور سے ادا کرتا تھا اور اس کو فرض مذہبی خیال کرتا تھا۔ چنانچہ جب اس کی زندگی میں ارسطو کی بعض مفصل تصنیفات شائع ہوئیں تو اس نے ارسطو کو نہایت ناراضی کا خط لکھا کہ اسرار افشا[۱] کیے دیتے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اپیکیورس (EPICURUS) دیا جنیز (DIOGENES) دیمقراطیس وغیرہ کے بعض مسائل اسلام کے برخلاف تھے لیکن ارسطو کا فلسفہ اسلام سے ملتا جلتا تھا۔ ارسطو واحدانیت، صفات باری، ثواب، عذاب، حشر و نشر کا قائل تھا۔

---

[۱] افلاطون اور ارسطو کی اس خط و کتابت کو فارابی نے اپنی کتاب الجمع بین الرائیں میں نقل کیا ہے۔ دیکھو رسائل فارابی مطبوعہ یورپ صفحہ،

بہرحال یہ عیب ہو یا ہنر لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں نے نہایت جدوجہد سے ارسطو کی ایک ایک تصنیف بہم پہنچائی اور ان سب کے ترجمے کیے۔ چنانچہ ہم اس موقع پر اس کی تصنیفات کی ایک مفصل فہرست لکھتے ہیں۔

نام کتاب	مضمون	مترجم	کیفیت
قاطیغوریاس (CATOGORY)	مقولات عشر یعنی کم و کیف وغیرہ	حنین بن اسحٰق	فارابی متی ابن مقنع ابن بہریز کندی اسحٰق احمد بن طیب رازی نے اس کے خلاصے اور شرحیں لکھیں۔
باری ارمیناس	اس میں مقولات مرکبہ کا بیان ہے	حنین بن اسحٰق	حنین نے سریانی میں اور اسحاق نے عربی میں ترجمہ کیا۔ متی فارابی نے شرحیں لکھیں۔ اسحٰق بن مقنع کنت ابن بہریز رازی احمد بن طیب نے خلاصے لکھے۔
انالوطیقا اول ANALYTIC	تحلیل قیاسات	تیوڈورس	حنین نے سریانی میں اور اسحٰق نے عربی میں اس کے بعض اجزا کا ترجمہ کیا۔ کندی و متی نے شرح لکھی۔
انالوطیقا ثانی	برہان	اسحٰق وغیرہ	حنین نے بعض اجزا کا سریانی میں ترجمہ کیا۔ متی نے اس سریانی کی عربی کی۔ متی، کندی، فارابی نے شرحیں لکھیں۔

نام کتاب	مضمون	مترجم	کیفیت
طوپیقا (TOPIC)	بحث وجدل	یحییٰ بن عدی	اسحٰق نے سریانی میں اور یحییٰ بن عدی نے اس سریانی کا ترجمہ عربی میں ترجمہ کیا۔ سات مقالے دمشقی نے ترجمہ کیے۔ عبداللہ نے آٹھ مقالے، یحییٰ بن عدی نے ہزار ورق میں شرح لکھی۔ فارابی، متی نے بھی شرحیں لکھیں۔
سوفسطیقا	مغالطہ	ابن ناعم	متی و ابن ناعمہ نے سریانی میں ترجمہ کیا، اور یحییٰ وقویری و ابراہیم نے عربی میں۔
ریطوریقا	فصاحت وبلاغت یا خطابیات	اسحٰق و ابراہیم بن عبداللہ	فارابی نے شرح لکھی۔
بوطیقا	شاعری	متی و یحییٰ بن عدی	متی نے سریانی سے عربی میں ترجمہ کیا۔

یہ آٹھوں کتابیں منطق میں ہیں۔ کیونکہ ارسطو نے منطق کے آٹھ حصے قرار دیے تھے۔ ان میں سے "قاطیغوریاس" یورپ میں چھپ گئی ہے اور باری ارمیناس و انالوطیقا اول و ثانی مع شرح ابن رشد کا قلمی نسخہ اس وقت میرے مطالعہ میں ہے۔ ارسطو کی اور تصنیفات حسب ذیل ہیں:

نام کتاب	مضمون	مترجم	کیفیت
سمع الکیان	طبیعیات میں ہیولا ہیولیٰ صورت، مکان، حرکت، زمانہ کا بیان ہے	حنین وقسطا بن لوقا وغیرہ	یہ کتاب آٹھ مقالوں میں ہے ۔
کتاب السماء والعالم	اس میں عناصر اربعہ اور فلک کا بیان ہے	ابن البطریق وحنین	ابوزید بلخی ابوجعفر خازن نے اس کی شرح لکھی۔ ابوہاشم نے اصل کتاب پر رد و قدح کیا۔
کتاب الکون والفساد	انقلاب عناصر کا بیان ہے	حنین واسحق	حنین نے سریانی اور اسحاق دمشقی نے عربی میں ترجمہ کیا۔ مقالہ اول کا ترجمہ قسطا نے کیا۔
الآثار العلویہ	عنصریات		ابن رشد نے اس کے ترجمہ کی جو اصلاح کی وہ میری نظر سے گذرا ہے
کتاب النفس	نفس کی حقیقت کا بیان ہے	حنین وغیرہ	حنین نے سریانی میں ترجمہ کیا۔ اسحق نے دو ترجمے ناقص و کامل کیے ۔
کتاب الحس والمحسوس	حس کے اسباب اور علل سے بحث کی ہے		اس کتاب کی تلخیص جو ابن رشد نے کی ہے وہ میری نظر سے گذری ہے ۔
کتاب الحیوان	حیوانات کا بیان ہے	ابن البطریق	نو مقالے ہیں۔ سریانی میں بھی اس کا ترجمہ ہوا ہے ۔
کتاب النبات	نباتات کا بیان ہے	ابن البطریق	ثابت بن قرہ نے ترجمہ کی اصلاح کی

بعض نسخے ۱۳۱ کتاب [illegible]

نام کتاب	مضمون	مترجم	کیفیت
اثولوجیا	الہٰیات	کندی	فرفوریوس مصری نے اس کتاب کی جو تفسیر کی وہ یورپ میں چھپ گئی ہے۔
کتاب الحروف	یونانی حروف تہجی کی ترتیب پر ہے	یحییٰ بن عدی	حروف الف سے میم و واؤ تک اس کا نسخہ ملا جس کا ترجمہ یحییٰ ابن عدی نے کیا۔
کتاب الاخلاق		اسحٰق بن حنین	فرفوریوس نے اس کے بارھوں مقالوں کی تفسیر لکھی جس کا ترجمہ اسحٰق بن حنین نے کیا۔
کتاب المراۃ		حجاج بن مطر	

ان کتابوں کے علاوہ ارسطو کی اور بہت سی تصنیفات ہیں، اور ان سب کا عربی میں ترجمہ کیا گیا۔ چنانچہ ان میں سے جو کتابیں ساتویں صدی تک موجود تھیں اور علامہ ابن ابی اصیبعہ کی نگاہ سے گذریں حسب ذیل ہیں:

کتاب الفراستہ[1]، کتاب السیاستہ المدنیہ[2]، کتاب السیاستہ العلمیہ[3]، مسائل فی شراب[4]، کتاب فی التوحید[5]، کتاب الشباب و الہرام[6]، کتاب الصحتہ و السقم[7]، کتاب فی الاعداد[8]، کتاب فی الباہ[9]، رسالہ الی انتیہ[10] وصیتہ الی نیقانرہ[11]، کتاب الحر[12]، کتاب فضل النفس[13]، کتاب فی العظم الذی لا یتجزی[14]، کتاب النقل[15]، الرسالۃ الذہبیۃ[16]، رسالۃ الاسکندر فی تدبیر الملک[17]، کتاب الکنایات[18]، کتاب فی علل النجوم[19]، کتاب انوار[20]،

رسالۃ فی الیقظہ[21]، کتاب الاحتجاز السبب فی خلق الاجرام[22]، السحاویہ[23]، کتاب فی الروحانیات[24]، رسالہ فی طبائع العالم[25]، کتاب الاعظماغیس[26]، کتاب الحیل[27]، کتاب مابعد الطبیعۃ[28]، کتاب نعمت الحیوانات الغیر ناطقہ[29]، کتاب الیضاح[30]، فخر الحق[31]، کتاب الملاطیس[32]، کتاب فی نفث الدم[33]، کتاب المعاون[34]، کتاب اسرار النجوم[35]، کتاب الغالب والمغلوب[36]۔

ارسطو کے بعد تصنیف و تالیف کا عام رواج ہوگیا، اور اس زمانے میں جس قدر حکماء پیدا ہوئے اکثر صاحبِ تصنیف تھے۔ ارسطو کا فلسفہ اگرچہ درحقیقت افلاطونی فلسفہ سے مختلف نہ تھا۔ لیکن دونوں حکیموں کی طرزِ تحریر و ادائے مطالب میں اس قدر اختلاف تھا کہ لوگوں نے ان کو باہم مخالف سمجھا، اور اس بنا پر فلسفہ کے دو الگ الگ اسکول قائم ہوگئے۔ ارسطو کے فلسفہ نے زیادہ وسعت حاصل کی اور اس کے پیروؤں میں بڑے بڑے مشہور حکیم پیدا ہوئے۔ ان میں سے ثاوفرسطس (THEOPHRASTUS) اور اسکندر افرودسی (ALEXANDERA - PHRODISUS) زیادہ مشہور ہیں۔

ثاوفرسطس ۳۱۰ء ق م ارسطو کا خاص شاگرد تھا اور ارسطو نے اپنے مدرسہ کا اُس کو جانشین مقرر کیا تھا۔ یونان کے بڑے بڑے حکماء اس کے حلقۂ درس میں بیٹھتے تھے۔ وہ قائل تھا کہ خدا کی ذات و صفات میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہوسکتا۔ وہ ستاروں کو روحانی اجسام مانتا تھا۔ اور ان کے مدبرِ عالم ہونے کا قائل تھا۔ فلسفہ میں اُس کی متعدد تصانیف ہیں جن کے نام حسبِ ذیل ہیں:

کتاب النفس[1]، کتاب الآثار العلویۃ[2]، کتاب الادب[3]، کتاب الحس والمحسوس[4]

کتاب مابعد الطبیعۃ، کتاب البنات، یہ تمام کتابیں عربی زبان میں ترجمہ کی گئیں، پچھلی تین کتابوں کا ترجمہ ابراہیم بن بکس اور یحییٰ بن عدی نے کیا۔[1]

اسکندر افرودسی دمشقی سنہ ۱۲۹ء میں پیدا ہوا۔ اس نے ارسطو کی تصنیفات پر نہایت کثرت سے شرحیں لکھیں۔ وہ ارسطو کے فلسفہ کا ایک بڑا رکن خیال کیا جاتا ہے۔ اس نے بعض اصول خود بھی ایجاد کیے۔ چنانچہ خدا کے عالم کلیات وجزئیات ہونے پر اول اسی نے دلیل قائم کی، اسی نے ارسطو کے برخلاف یہ مسئلہ بیان کیا کہ نفس کو مفارقت بدن کے بعد کسی قسم کا ادراک و احساس نہیں ہو سکتا۔ اس کی شرحیں اور مستقل تصنیفات دونوں عربی میں ترجمہ کی گئیں۔ چنانچہ نقشہ ذیل سے تفصیل معلوم ہوگی:

ترجمۂ شرح

نام کتاب	مترجم	کیفیت
شرح قاطیغوریاس	ابو زکریا	یہ شرح ۶۰۰ صفحوں میں ہے۔
شرح انالوطیقا		مصنف نے اس کی دو شرحیں لکھیں ایک زیادہ مفصل اور کامل ہے۔
شرح طوبیقا		آٹھ مقالوں میں سے صرف پانچ مقالوں کی شرح ہے۔
شرح سماع طبیعی	ابوروح الصابی و حنین و تسطاد دمشقی	ان مترجموں نے کتابوں کے مختلف حصوں کے ترجمے کیے۔

[1] دیکھو شہرستانی مطبوعہ یورپ صفحہ ۲۴۵ و فہرست ابن الندیم ذکر ثاوفرسطس

نام کتاب	مترجم	کیفیت
شرح کتاب السماع والعالمہ		صرف پہلے دو مقالہ کی شرح ہے۔
شرح کتاب الکون والفساد	متی و قسطا	
شرح الآثار العلویہ		اس شرح کا ترجمہ پہلے عربی میں کیا گیا پھر یحییٰ بن عدی نے اس ترجمہ کا ترجمہ سریانی زبان میں کیا۔
شرح کتاب الحروف		

اسکندر افرودسی کی جو تصنیفات عربی میں ترجمہ کی گئیں حسب ذیل ہیں:
کتاب[1] النفس، کتاب[2] الرد علی جالینوس فی التمکن، کتاب[3] الرد علی جالینوس فی الزمان، کتاب[4] الابصار، کتاب[5] اصول العامۃ، کتاب[6] عکس المقدمات، کتاب[7] مبادی الکل کتاب[8] فی ان الموجود لیس بجنس للمقولات العشر، کتاب[9] العنایۃ، کتاب[10] الفرق بین الہیولی والجنس، کتاب[11] الرد علی من قال انہ لا یکون شی الا من شی، کتاب[12] فی ان الابصار لا یکون الا بشعاعات تنبث من العین، کتاب[13] اللون، کتاب[14] الفصل، کتاب[15] المالیخولیا[51]

فلسفہ ارسطو کے اور بہت سے شارح و مفسر گذرے، جن کی تصنیفات کا ترجمہ عربی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ مثلاً نیقولاس اصیقدروس،
نیقولاؤس (NIQLAUS) نے علاوہ شرحوں کے مستقل تصنیفات بھی کیں۔
چنانچہ ان میں سے کتاب فی فلسفۃ ارسطو فی النفس و کتاب النبات و کتاب الرد علی جاعل العقل والمعقولات شیئاً واحداً و کتاب اختصار فلسفہ ارسطو کا

[51] اسکندر افرودسی اور اس کی تصنیفات کے لیے دیکھو فہرست ابن الندیم صفحہ ۲۵۲ و طبقات الاطبا جلد اول صفحہ ۶۹

ترجمہ عربی زبان میں ہوا۔

ارسطو کا فلسفہ اگرچہ تمام ملک پر قبضہ کر چکا تھا اور پچھلے حکماء کے پیرو بہت کم رہ گئے تھے تاہم بالکل معدوم نہیں ہوئے تھے پلوٹارک (PLUTAREC) جو نشئہ میں موجود تھا۔ اس نے سقراط کے فلسفہ کو رونق دی اور فلسفہ اخلاق کی بنیاد ڈالی۔ اس کی تصنیفات نہایت مقبول ہوئیں، اور وہ مجدّدِ فلسفہ قرار پایا۔ انگریزی مورخوں نے لکھا ہے کہ شکسپیئر نے اپنی پلینر میں قوم کی اخلاقی حالت کی جہاں جہاں تصویر کھینچی ہے اکثر پلوٹارک کے بیان سے مدد لی ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ حصے نہایت موثر اور مفید ہیں، بہر حال مسلمانوں نے باوجود اس کے کہ وہ فلسفۂ ارسطو کے زیادہ دلدادہ تھے، پلوٹارک کے فلسفہ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اس کی اکثر تصنیفات کے ترجمے کیے۔ اس نے ایک کتاب میں طبیعات کے متعلق تمام حکماء کی رائے نقل کی تھیں۔ قسطا بن لوقا نے اس کا ترجمہ کیا۔ اس کے سوا اس کی اور کتابیں مثلاً کتاب الی موریالیا، کتاب الغضب، کتاب الریاضۃ، کتاب النفس عربی و سریانی میں ترجمہ کی گئیں۔

یہ تقسیم زمانہ کے اعتبار سے تھی، لیکن اصول فلسفہ طرز تعلیم، اخلاق و عادات کے لحاظ سے فلسفہ کے سات اسکول قرار دیے گئے۔

(۱) فیثاغوریثہ	اس کا حال اوپر گذر چکا ہے۔
(۲) قورینہ	اس فرقہ کا بانی ارسطیفوس تھا اور چونکہ وہ قوریتا کا رہنے والا تھا، اس لیے یہ فرقہ اسی کی طرف منسوب ہو کر مشہور ہوا۔
(۳) رواقیہ	اسٹوئیک (Stoic) اس فرقہ کا بانی زینون (ZINO)

المتولد ۳۴۰ قبل مسیح ق م تھا۔ اور چونکہ وہ چھت کے نیچے بیٹھ کر تعلیم دیتا تھا، رواقیہ کے نام سے مشہور ہوا۔

(۴) کلابیہ — (Degmatic) اس فرقہ کا بانی انتیلین تھا۔ یہ حکیم تمام آدمیوں کو حقیر سمجھتا تھا اور خاص کر امرا اور دولتمندوں کو گویا کاٹ کھانا چاہتا تھا۔ اس مناسبت سے لوگ اس کو کُتا کہتے تھے اور اسی نسبت سے اس فرقہ کا نام کلابیہ مشہور ہو گیا۔

اس فرقہ کا سب سے نامور شخص دیوجانس کلبی (Deogenes) تھا، جس کے حالات اور اقوال و افعال عربی کتابوں میں اکثر مذکور ہیں۔ وہ ۴۱۳ قبل مسیح ق م میں پیدا ہوا۔

(۵) مانعہ — اس کا بانی فوزن تھا اور چونکہ وہ لوگوں کو تعلیم سے منع کرتا تھا، اس لیے اس نام سے مشہور ہوا۔

(۶) لذّتیہ — اس کا بانی اپیکوریس المتولد ۳۳۶ قبل مسیح ق م تھا، جس کا فلسفہ یہ تھا کہ آئندہ حشر و نشر کچھ نہیں۔ اس لیے جس قدر ہو سکے یہاں عیش کر لینا چاہیے۔

(۷) مشائین — اس کے بانی افلاطون اور ارسطو تھے اور چونکہ یہ لوگ پڑھانے کے وقت ٹہلتے جاتے تھے اور پڑھاتے جاتے تھے۔ اس لیے اس نام سے مشہور ہوئے۔

ان میں سے بعضوں نے تصنیف و تالیف نہیں کی، بلکہ زبانی مسائل کی تعلیم کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے اصول اور اقوال دوسروں کی تصنیفات میں حوالہ کے طور پر پڑھتے ہیں۔ غرض ان میں سے جن حکما کی تصنیفات موجود تھیں عربی میں ترجمہ کی گئیں، اور جن کے صرف اقوال اور مسائل محفوظ تھے، اسی حیثیت سے محفوظ رہے چنانچہ علامہ شہرستانی نے دیوجانس، اپیکورس، زینون کے اقوال چونکہ مذہب اسلام کے مخالف تھے اس لیے ان کی پیروی نہیں کی گئی، لیکن بعض بعض حکمائے اسلام کے خیالات میں ان کا پرتو پایا جاتا ہے۔ مثلاً عمر خیام کی رباعیاں اپیکورس کے خیالات سے لبریز ہیں۔ لیکن چونکہ وہ خیالات شاعری کے پردہ میں ادا کیے گئے ہیں۔ اس لیے الحاد و زندقہ کے طعنہ سے کسی قدر محفوظ رہا۔

زینون وحدتِ وجود کا قائل تھا اور یہ خیال تو اس وسعت سے مسلمانوں میں پھیلا کہ ایک بڑے مذہبی گروہ کا دار و مدار اسی پر ہے۔

یونان کے فلسفہ نے وہ قبول حاصل کیا کہ مصر کی درسگاہوں میں جہاں اسی زمانے میں خود حکمائے یونان نے تعلیم پائی تھی، اس کا رواج ہو گیا۔ اسکندریہ کے تمام مدارس میں یونانی فلسفہ ہی پڑھایا جاتا تھا۔ کچھ دنوں تک مقلدانہ تعلیم رہی پھر وہاں خود ایسے اہل کمال پیدا ہو گئے کہ فلسفہ کے خاص خاص اسکول کے بانی قرار پائے۔ چنانچہ امونیس (AMMONIUS) نے جو ۲۲۰ء میں تھا، ایک نئے طریقہ کی بنیاد ڈالی، جس کا نام نیو پلاٹونیزم یعنی جدید فلسفۂ افلاطونی ہے۔ اس حکیم نے افلاطون کے فلسفہ میں چند خاص اصول اضافہ کیے، اور بہت سے لوگ اس کے پیرو ہو گئے۔ امونس نے ارسطو کی بہت سی کتابوں پر شرحیں بھی لکھیں، مثلاً شرح قاطیغوریاس

شرح طوبیقا وغیرہ۔ چنانچہ ان کتابوں کا عربی میں ترجمہ ہوا۔

امونیوس نے مستقل تصنیفیں بھی لکھیں جو عربی میں ترجمہ کی گئیں۔ مثلاً شرح مذہب ارسطالیس فی الصانع، کتاب فی اغراض ارسطالیس۔ کتاب حجۃ ارسطالیس فی التوحید۔

نیو پلاٹونیزم یعنی جدید فلسفہ افلاطونیہ جو اسکندریہ میں قائم ہوا۔ اس کے اصول اولین چار تھے۔

(۱) خدا میں تین اقنوم ہیں۔ وحدت، فہم، قوت۔

(۲) نفس وحدت حاصل کر سکتا ہے۔ اور اس حدیث سے خدا کی برابری حاصل کر سکتا ہے۔

(۳) موجودہ زندگی کے تصورات سب وہم و خیال ہیں۔

(۴) مادہ نہایت حقارت کے قابل ہے[۱]

اس فلسفہ کے مشاہیر حکماء یہ تھے:

فرفوریوس (PHARFOIRAS) ۲۲۳ء میں پیدا ہوا۔ فن بلاغت کی تحصیل ایتھنز میں کی۔ یہ مذہب عیسوی کا مخالف تھا اور عیسائیت کے دور میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ فلسفہ میں ارسطو کی اکثر کتابوں کی شرح لکھی اور کلیات خمس کی ترتیب اسی نے دی۔ مسلمانوں نے اس کی تصنیفات کو بڑی جدوجہد سے مہیا کیا اور ان کے ترجمے کیے جن کی تفصیل ذیل میں ہے:

---

[۱] میزان الحق مطبوعہ بیروت صفحہ ۳۰۴

نام کتاب	مضمون	مترجم
ایساغوجی	یعنی کلیات خمس	
مدخل الی القیاسات		ابو عثمان دمشقی
کتاب العقل والمعقول		
اناپو کے نام دو کتابیں	انوپا فرفوریس کا شاگرد تھا	
کتاب الرد علی بجبوس	عقل و معقول کے بیان میں ہے	
الاسطقات	عناصر کا بیان ہے۔	
شرح کتاب باری مینامیس لارسطو		
شرح کتاب سماع طبیعی لارسطو		بسیل
شرح کتاب اخلاق لارسطو		اسحٰق بن حنین یہ کتاب بارہ مقالوں میں ہے۔

فرفوریوس نے حکماء کے حال میں ایک نہایت مفصل اور مفید کتاب لکھی تھی اس کا بھی عربی میں ترجمہ کیا گیا۔ چنانچہ طبقات الاطباء کا ابتدائی حصہ بہت کچھ اسی سے ماخوذ ہے، اور مسلمان مصنفوں نے حکمائے یونان کے حالات میں جو کتابیں لکھی ہیں، اکثر اس سے ماخوذ ہیں۔

اس فلسفہ کا دوسرا مشہور حکیم براقلس تھا۔ یہ ۴۱۲ء میں پیدا ہوا۔ فلسفہ اور ریاضی میں اُستاد وقت تھا۔ یہ بھی مذہب عیسوی کا سخت مخالف تھا۔ اس کی اکثر تصنیفات عربی میں ترجمہ کی گئیں۔ جن کی تفصیل ذیل میں ہے:

نام کتاب	مضمون
کتاب حدود اوائل الطبیعات	
ثمان عشرہ مسائل	اٹھارہ مسئلوں کا بیان ہے۔
شرح قول فلاطون فی النفس	تین مقالوں میں ہے۔
اثولوجیا	یعنی الٰہیات۔
تفسیر وصایائے فیثا غورث	فیثاغورث کی وصیتیں جو آب زر سے لکھی گئی تھیں، ان کی شرح دو سو صفحوں میں ہے
الجواہر العالیۃ	
دیا دوخس	یونانی نام ہے اس میں دس مسئلوں پر بحث ہے۔
الجزء الاول	
المسائل العشر المعضلات	دس نہایت مشکل مسئلوں پر بحث ہے۔
الجزء اللذی لا یتجزی	جزء لا یتجزی کی بحث میں ہے۔

اس طبقہ کا ایک اور مشہور حکیم ثامسطیوس (THE MISTEAS) تھا جو ۳۵۵ء میں تھا۔ یہ بھی عیسائیت کا منکر تھا اور شاید یہی وجہ تھی کہ بادشاہ روم لیولیانس نے جو مذہب عیسوی کا سخت دشمن تھا۔ اس کو اپنا سیکرٹری مقرر کیا تھا۔ اس نے ارسطو کی تصنیفات کی شرحیں لکھیں۔ جن میں سے شرح کتاب قاطیغوراس شرح انالوطیقا، شرح انالوطیقا ثانی، تفسیر کتاب طوبیقا، تفسیر سماع طبعی، تفسیر کتاب السماء والعالم کتاب الکون والفساد، تفسیر النفس، تفسیر کتاب الحروف کا ترجمہ عربی زبان میں موجود ہے علامہ ابن الندیم نے ان کتابوں کی اور ان کے مترجموں کی بھی تفسیر لکھی ہے۔

نامسطیوس کی ذاتی تصنیفات بھی ہیں۔ اور ان کا بھی عربی میں ترجمہ کیا گیا۔ ان میں سے ایک کتاب نفس کی بحث میں ہے، اور باقی دو رسالے ہیں جو اس نے لیو لیانس کو لکھے تھے۔

حکمائے اسکندریہ کا خاتم یحییٰ نحوی (TOHNTNEGAAMARIAN) تھا، جو اسلام کے زمانہ تک موجود رہا، اور عمرو بن العاص نے اس کی بہت قدر و منزلت کی۔ وہ بیک واسطہ برقلس کا شاگرد تھا، اور اس کی صحبت سے مشرف ہوا تھا۔ یحییٰ کا اصل فن طب تھا۔ چنانچہ اس کی طبی تصنیفات کا ذکر آگے آتا ہے۔ لیکن اس نے فلسفہ پر بھی کتابیں لکھیں۔ چنانچہ ارسطو کی کتاب قاطیغوریاس وانالوطیقا اول و دوم و طوبیقا و سماع الطبیعی و الکون والفساد ان سب کتابوں کی شرحیں لکھیں۔ ان کے سوا اس کی مستقل تصنیفات بھی ہیں۔ ایک کتاب برقلس کے رد میں ہے اور اٹھارہ مقالوں میں ہے۔ ارسطو کی رد میں بھی اس نے ایک کتاب چھ مقالوں میں لکھی، ان کے سوا اور تصنیفیں ہیں۔ چنانچہ ان سب کی تفصیل علامہ ابن الندیم و ابن ابی اصیبعہ نے کی ہے یہ تمام کتابیں عربی زبان میں ترجمہ کی گئیں، اور ان میں سے بعض آج تک موجود ہیں۔

ہیئت

اس فن کا موجد تھیلس (ثالیس ملطی) کہا جا سکتا ہے جو حضرت عیسیٰ سے ۶۰۰ برس پہلے تھا۔ اس نے زمین کو مرکز کائنات مانا، اور وہ پہلا شخص ہے جس نے زیچ بنائی اور خسوف کی پیشینگوئی کی۔ اس کے بعد فیثا غورث و افلاطون نے اس فن کو نہایت ترقی دی۔ فیثا غورث جو ۵۳۶ ق م تھا۔ بجائے زمین کے آفتاب کو

مرکز مانتا، ان حکما کی تحقیقات اور مسائل اگرچہ عربی کتابوں میں تفصیل سے مذکور ہیں لیکن اس فن کے متعلق ان کی کسی مستقل تصنیف کا ہم کو پتہ نہیں ملتا جو عربی زبان میں ترجمہ کی گئی ہو۔ البتہ اس دور کے بعد جن حکما نے اس فن کو ترقی دی، ان کی کتابوں کے ترجمے عربی میں موجود ہیں۔ ان میں سب سے مقدم اور نامور ارسترخوس تھا، جو ارشمیدس کا ہمسر تھا۔

ارسترخوس یونانی الاصل اور حضرت عیسیٰ سے ۲۷۰ برس پہلے تھا۔ یہ اس بات کا قائل تھا کہ زمین آفتاب کے گرد حرکت کرتی ہے۔ اس کی تصنیفات میں سے جس کتاب کا ترجمہ موجود ہے اس کا نام جرم الشمس والقمر ہے۔ اس میں آفتاب و ماہتاب کی جسامت اور مقدار اور فاصلہ کا بیان ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یورپ کو بھی باوجود انتہائے کوشش کے یہی ایک کتاب مل سکی۔ چنانچہ اصل کتاب ۱۶۶۸ء اور اس کا فرنچ ترجمہ ۱۸۱۰ء میں چھاپا گیا۔[1]

اسی دور کا دوسرا مشہور فاضل ابرخس (HIPPARACHUS) ہے جو حضرت عیسیٰ سے ۱۴۰ برس قبل تھا۔

ابرخس نے اس فن میں بہت کچھ اضافہ کیا۔ علم ہیئت میں جبر و مقابلہ سے اول اسی نے کام لیا۔ اس مصنف کی تصانیف عربی زبان میں ترجمہ کی گئیں لیکن تعجب ہے کہ علامہ ابن الندیم نے جن کتابوں کا نام لکھا ہے، وہ جبر و مقابلہ کے متعلق ہیں۔ ہیئت کی کسی کتاب کا نام نہیں لکھا۔

بطلیموس یہ پہلا شخص ہے جس نے اصطرلاب بنایا اور آلات نجوم تیار کیے۔

---

[1] دائرۃ المعارف مرتبہ زمانہ حال و فہرست ابن الندیم صفحہ ۲۷۰،

اس کے زمانہ میں بہت بڑے ساماں سے رصد خانہ بنا اور اجرام فلکی کے حالات تحقیق کیے گئے۔ مسلمانوں نے اس کی ہیئت کے ساتھ زیادہ اعتنا کیا۔ چنانچہ اسکی کتاب مجسطی کا ترجمہ بڑے اہتمام اور جد و جہد سے ہوا۔ سب سے پہلے یحییٰ بن خالد برمکی نے اس کے ترجمہ کی طرف توجہ کی۔ چنانچہ بہت سے مترجمین نے اس کی فرمائش سے ترجمے کیے اور تفسیریں لکھیں، لیکن وہ سب مبہم اور غیر مفہوم تھیں۔ اس لیے اس نے بیت الحکمۃ کے افسروں یعنی علما اور ابو حسان کو اس کام پر مامور کیا۔ ان لوگوں نے نہایت مشہور اور نامور مترجموں کو جمع کر کے ترجمہ پر مامور کیا اور نہایت محنت کے ساتھ ترجمہ کیا گیا۔ اس کتاب کے کل ترجمے جو مقبول ہوئے تین ہیں۔ ایک حجاج بن مطر کا، دوسرا اسحٰق کا جس کو ثابت نے صحیح کیا، تیسرا خود ثابت کا۔ چونکہ مامون الرشید کو اس کتاب کے ساتھ نہایت شغف تھا، اس کے حکم سے حنین بن اسحٰق نے بھی ترجمہ کیا۔ حجاج بن مطر و ثابت بن قرۃ نے زوائد سے پاک کر کے خلاصہ لکھا۔ ابو ریحان بیرونی نے اس کا اختصار کیا اور عمرو بن فرخان ابراہیم بن الصلت، فضل بن حاتم، شمس الدین سمرقندی، نظام الدین نیشاپوری نے شرحیں لکھیں۔[1]

بطلیموس کا نظام تمام یورپ میں مدتوں یعنی کوپرنیکس کے زمانہ تک متداول رہا۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بطلیموس کی یہ کتاب (مجسطی) اہل عرب ہی کی بدولت یورپ میں پہنچی۔ چنانچہ عربی زبان سے لاٹین میں اس کا ترجمہ کیا گیا۔ پھر یونانی نسخہ بھی ملا اور فرنچ میں اس کا ترجمہ کیا گیا جو پیرس میں ۱۸۱۷ء میں چھاپا گیا۔[2]

بطلیموس نے آلات رصدیہ میں ذات الحلق اور ذات الصفائح پر دو مستقل کتابیں لکھیں

---

[1] کتاب الفہرست و کشف الظنون و دائرۃ المعارف [2] دائرۃ المعارف

اور ایک نہایت مفصل کتاب علم نجوم میں لکھی جس کا نام قانون ہے۔ یہ کتابیں بھی عربی زبان میں ترجمہ کی گئیں۔ چنانچہ مورخ یعقوبی نے ان کتابوں کے ابواب اور فصلوں کے مضامین کو تفصیل سے لکھا ہے۔ بطلیموس کی اور تصنیفات جو ترجمہ کی گئیں حسب ذیل ہیں:

کتاب[1] امو الید، کتاب[2] استخراج السہام، کتاب[3] تحویل سنی العالم، کتاب[4] تحویل سنی الموالید، کتاب[5] المرض و شرب الدوا، کتاب[6] فی سیر المبعہ، کتاب فی الاسرار و الجنین، کتاب[8] فی اثر الصعود، کتاب[9] الحفیین ایہما یفلح، کتاب[10] ذوات الذوائب، کتاب[11] السمایلع، کتاب[12] القرعۃ، کتاب[13] اقتصاص احوال الکواکب، کتاب[14] الثمرہ، کتاب[15] الاربعۃ، یہ کتاب ایک شاگرد کے نام سے لکھی تھی۔ ابراہیم ابن الصلت نے اس کا ترجمہ کیا۔ حنین نے اصلاح کی۔ ثابت و عمر بن الفرحان وغیرہ نے شرحیں لکھیں۔ یہ تینوں حکیم فن ہیئت کے بانی اور موجد خیال کیے جاتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں نے ان کے علاوہ اور اہلِ کمال کی بھی کتابیں بہم پہنچائیں، اور ترجمہ کیں۔ چنانچہ تفصیل حسب ذیل ہے:

اوطولوقس (AUTOLYCUS) یہ ارسطو کا معاصر اور دیوجانس کا اُستاد تھا۔ اس کی دو کتابیں اس فن میں ہیں اور دونوں کا ترجمہ کیا گیا۔ کتاب الکرۃ المتحرکۃ، کتاب الطلوع والغروب۔

السیقلاؤس (HYPIYCLES) ۱۹۰ سنہ میں تھا اور اسکندریہ میں رہتا تھا۔ اس کی تصنیفات میں کتاب الاجرام والابعاد، کتاب الطلوع والغروب کا ترجمہ ہوا۔ اس نے قلیدس کے چوتھے اور پانچویں مقالہ کی اصلاح بھی کی تھی اور اس کا بھی عربی میں ترجمہ ہوا۔

ثاون (THEON) اسکندریہ کا رہنے والا تھا۔ اس نے آلات رصدیہ

میں سے ذات الحلق اور اصطرلاب کے متعلق دو مستقل کتابیں لکھیں، بطلیموس کی زیچ پر بھی ایک کتاب لکھی۔ مجسطی پر بھی اس کی ایک کتاب ہے۔ چنانچہ ان سب کتابوں کا ترجمہ کیا گیا۔

فالیس رومی اس کی تصنیفات جن کا ترجمہ ہوا حسب ذیل ہے:

مدخل[1] الی صناعۃ النجوم، کتاب[2] الموالید، کتاب[3] المسائل، کتاب[4] الزائجہ، کتاب[5] المسائل الکبیر، کتاب[6] السلطان، کتاب[7] الامطار، کتاب[8] تحویل سنی العالم، کتاب[9] الملوک۔

تیودورس (THEDORUS) اس کی تصنیفات جن کا ترجمہ ہوا حسب ذیل ہیں: کتاب[1] الاکر، کتاب[2] المساکین، کتاب[3] اللیل والنہار۔

پپس (PAPPUS) ثاون اسکندرانی کا معاصر تھا۔ اس نے بطلیموس کی کتاب پر جو کرہ کی تسطیح کے متعلق ہے شرح لکھی۔ اس کتاب کا ترجمہ ثابت نے کیا۔

ایرن (HERON) ۲۵۰ سنہ ق م تھا۔ اس نے اصطرلاب پر ایک کتاب لکھی اور اس کا ترجمہ کیا گیا۔ اقلیدس کے شکوک پر بھی ایک کتاب لکھی اور اس کا بھی ترجمہ ہوا۔

ابیون (APION) آخیر حکماء میں سے ہے۔ اس کی تصنیفات میں سے اصطرلاب پر ایک کتاب ہے، اور وہ عربی میں ترجمہ کی گئی۔

جبر و مقابلہ و حساب

جبر و مقابلہ و فن اگرچہ مسلمانوں نے گویا خود ایجاد کیا۔ کیونکہ مسلمانوں سے پہلے اس کی ابتدائی حالت ایسی تھی کہ فن کا لفظ اس پر صادق نہیں آ سکتا تھا اور اس بات کا تمام یورپ اعتراف کرتا ہے۔ تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یونانیوں

نے بھی اس فن میں کچھ کتابیں لکھیں۔ چنانچہ وہ عربی میں ترجمہ کی گئیں۔

سب سے اول جس نے یونان میں اس کے متعلق کچھ لکھا وہ **ابرخس** تھا۔ جو سنہ ۱۴۰ ق م میں نہایت مشہور ریاضی داں گذرا ہے۔ سیّارات کی حرکت چھ سو برس مابعد تک خسوف کی تاریخیں، ستاروں کے فاصلے، اجرام فلکی کی فہرست، اس مضمون پر اس نے بہت سے رسالے لکھے۔ جبرو مقابلہ پر اس کی جو کتاب ہے اس کا ترجمہ اور اصلاح ابوالوفا محمد بن محمد حاسب نے کی۔ ابوالوفا نے اس کتاب کی شرح بھی لکھی، اور دعوؤں کو براہین ہندسیہ سے ثابت کیا۔ ابرخس کی ایک اور کتاب کا عربی میں ترجمہ ہوا، جس کا نام قسمۃ الاعداد[۱] ہے۔ ابرخس کے بعد دیوفنطس نے اس فن کو ترقی دی۔

دیوفنطس (DIPHANTOS) یونانی تھا اور اسکندریہ میں سکونت رکھتا تھا۔ جبرو مقابلہ پر اس نے تیرہ ۱۳ رسالے لکھے جو ایک مجموعہ میں مرتب تھے۔ ان رسالوں میں مربعات و مکعبات وغیرہ کے بہت سے مسائل موجود ہیں۔ عربی میں کتاب کا ترجمہ کیا گیا۔ یورپ کو مدت تک دیوفنطس کا نام تک معلوم نہ تھا۔ سب سے پہلے آٹھویں صدی عیسوی میں یوحنا شامی نے اس کا حوالہ دیا۔ سنہ ۱۶۷۰ء میں اسکی اصل کتاب یونانی میں مع لاٹین ترجمہ کے چھاپی گئی اور سنہ ۱۶۲۵ء میں اسکا ترجمہ کیا گیا۔[۲]

حساب کے متعلق عام طور پر مسلّم ہے کہ مسلمانوں نے ہندوؤں سے لیا اور یہی وجہ ہے کہ وہ رقوم و اعداد کو ہندی طریقہ سے لکھتے ہیں۔ تاہم یونان کی تصنیفات بھی مسلمانوں نے بہم پہنچائیں۔ سب سے قدیم تصنیف فیثاغورث کی تھی، جس کا نام

---

[۱] کتاب الفہرست صفحہ ۲۶۹ [۲] دائرۃ المعارف جلد ۸ صفحہ ۲۴۴

ارثماطیقی یعنی ارتھمیٹک تھا۔ یہ کتاب عربی زبان میں ترجمہ کی گئی۔ اس کے علاوہ اور مصنفوں کی کتابیں بھی ترجمہ کی گئیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

نیقوماخس (NICOMACHES) ارسطو کا باپ اور بہت بڑا موسیقی دان تھا۔ اس نے اس فن میں ایک کتاب لکھی جس کا نام ارثماطیقی ہے۔ یہ کتاب دو مقالوں میں ہے اور اصل یونانی میں ۱۵۳۸ء میں بمقام پیرس چھاپی گئی ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ترجمہ کی گئی[۲]

مکانک (یا) علم الآلات[۳]

یہ فن اگرچہ درحقیقت موجودہ زمانہ کے ساتھ خصوصیت رکھتا ہے، لیکن یونان میں اس کی ابتدا ہو چکی تھی، سب سے پہلے جس نے جر ثقیل اور حرکت کے اصول دریافت کیے وہ ارشمیدس (ARCHIMEDES) ہے، جو ۲۵۰ق م تھا۔ اس نے پانی کی گھڑی ایجاد کی جس میں گھنٹوں کے گذرنے پر خودبخود گھنٹوں کی تعداد کے موافق گولیاں گرتی تھیں۔ اسی زمانے میں ایران نے اس فن میں بہت سی باتیں اضافہ کیں۔ پانی کے بلند کرنے کا آلہ اول اسی نے ایجاد کیا۔ اس نے آلات کی پانچ قسمیں کیں۔ لیکن آج کل چھ قرار دی جاتی ہیں۔ یعنی سطح مائل بھی ایک قسم قرار دی جاتی ہے۔ حالانکہ ایرن نے اس کو چھوڑ دیا تھا۔ ایرن نے

---

[۱] طبقات الاطبا جلد اول صفحہ ۳۴ [۲] کتاب الفہرست صفحہ ۲۶۶ و دائرۃ المعارف لفظ حساب [۳] مکانک کے لیے دیکھو دائرۃ المعارف ذکر آلات و فہرست ابن الندیم صفحہ ۲۶۶ و ۲۶۹ و ۲۷۰ و ۲۸۵ و یعقوبی صفحہ ۲۳۵،

جبر ثقیل پر ایک مستقل کتاب لکھی۔

ایک اور حکیم جو اس فن کا استاد گذرا ہے مارطس تھا۔

مارطس (MYRTUS) یونانی الاصل تھا۔ اس نے ارگن باجہ پر ایک کتاب لکھی اور ایک آلہ دریافت کیا جس کی آواز ساٹھ میل تک جا سکتی تھی۔

غرض اس فن کے متعلق جو کتابیں عربی زبان میں ترجمہ کی گئیں حسب ذیل ہیں:

نام کتاب	مضمون	کیفیت
آلہ ساعات الماء	پانی کی گھڑی	ارشمیدس
کتاب شیل الاثقال	جر ثقیل کے بیان میں	ایرن
الاشیاء المتحرکہ من ذاتہا	چیزوں کا خود بخود حرکت کرنا	ایرن
الآلات المبقوتہ	ارگن باجہ جو آپ سے آپ بجتا ہے	مارطس
کتاب الدوالیب	گھڑی وغیرہ میں جو چکر ہوتے ہیں	مارطس

موسیقی

موسیقی کا فن اگرچہ عرب میں مدت سے موجود تھا لیکن علمی حیثیت سے نہ تھا۔ یونان میں اول جس شخص نے علمی حیثیت سے اس فن کو مرتب کیا وہ غالباً فیثاغورث تھا۔ اقلیدس نے بھی اس کو ترقی دی اور اس میں اس کی تصنیفات بھی ہیں۔ اگرچہ یہ امر یقینی ہے کہ ان قدما کی تصنیفات عربی زبان میں ترجمہ کی گئیں۔ چنانچہ علامہ ابو الفرج اصفہانی نے اسحاق موصلی کے حال میں تصریح کی ہے کہ موسیقی کی تمام کتابیں محمد بن حسن بن مصعب کے حکم سے ترجمہ کی گئیں۔

لیکن ہم کو کسی کتاب اور اس کے مترجم کا نام بہ تعین معلوم نہیں ہو سکا۔ جہاں تک ہم کو معلوم ہے، سب سے پہلی تصنیف جو مسلمانوں کے ہاتھ آئی وہ نیقوماخس کی کتاب ہے جو ارسطو کا باپ تھا۔ یہ کتاب اصل زبان میں بمقام لیڈن ۱۶۱۶ء میں چھاپی گئی ہے۔ دوسری تصنیف اس فن میں ارسطکاس کی تھی۔

ارسطکاس (ARISTOXENUS) ارسطو کا شاگرد اور فن موسیقی کے ارکان میں تسلیم کیا گیا ہے۔ فیثاغورث نے اس فن کو صرف ذوق پر محمول رکھا تھا۔ ارسطکاس پہلا شخص ہے جس نے راگ کے ایقاعات کو ریاضی کے اصول سے ثابت کیا، اور فیثاغورث سے جداگانہ طریقہ پر ایک درسگاہ کی بنیاد ڈالی۔ اس کی کتاب جو خاص ایقاع کے متعلق ہے اس کا ترجمہ کیا گیا۔ یہ کتاب تین جلدوں میں ہے اور اس کا اصلی نسخہ آج یورپ میں موجود ہے۔ ارسطکاس کی اور بھی بہت سی تصنیفات تھیں۔ لیکن غالباً مسلمانوں کو نہیں ملیں۔ اور آج یورپ کو بھی اعتراف ہے کہ کتاب ایقاع کے سوا اس کی اور کوئی تصنیف نہیں ملتی۔

جغرافیہ

یونانی اسکول میں اس فن کی ابتداء تقریباً سو سال قبل مسیح اسکندریہ کے باشندے ئیناخوس سے ہوئی جس کے بعد ابرخس، استرابون اور مارینوس نے اس میں اضافے کیے اور بطلیموس نے اس کو درجہ کمال پر پہنچایا۔

مسلمانوں نے اگرچہ ایسی تمام تصانیف سے استفادہ کیا لیکن ترجمے صرف مارینوس اور بطلیموس کی کتابوں سے کیے۔

مارینوس کے جغرافیہ میں ہر تعلیم کے جدا جدا رنگ تھے اور تمام قدیم جغرافیوں سے اچھا تھا۔ بطلیموس کا جغرافیہ آٹھ بابوں پر مشتمل ہے۔ جس کا پہلا ترجمہ یعقوب کندی نے کرایا، اور دوسرا ثابت نے کیا۔ سریانی میں بھی اس کا ترجمہ موجود ہے۔

طِب

طب کی ابتدا یونان میں استقلیس سے ہوئی جس کی وصیت کے مطابق یہ فن اس کے خاندان تک محدود رہا۔ اقلیدس، افلاطون اور سولن وغیرہ اسی کے خاندان سے گذرے ہیں اور اس کی سولھویں پشت میں حضرت عیسیٰ سے پانچ سو سال قبل بقراط نے اس فن کو مرتب کیا کتابیں لکھیں اور اسکی تعلیم کو پھیلایا۔ بقراط کے بعد جالینوس پر اس فن کا خاتمہ ہو گیا۔

یونانیوں نے فن طب کے آٹھ ارکان مانے ہیں۔ استقلیبس، غورس، مینس، برمانیدس، افلاطون، استقلیس دوم، بقراط اور جالینوس۔ ان کے علاوہ جو لوگ صاحبِ تصنیف ہیں ان کو ارکان فن کہا نہیں جا سکتا۔

مسلمانوں نے طب کے اس تمام سرمایہ کو عربی زبان میں منتقل کیا۔ اور چونکہ بقراط اور جالینوس نے اس فن کو درحقیقت نہایت کمال کے رتبہ تک پہنچایا۔ اس کے لیے ان کی تصنیفات پر زیادہ توجہ کی، بقراط کی طرف اگرچہ بہت سی کتابیں منسوب ہیں لیکن ان میں سے ۳۰ کتابیں قطعی طور سے اس کی تصنیف کہی جا سکتی ہیں۔ چنانچہ یہ سب ترجمہ کی گئیں۔ اور ان میں سے ۱۶ اس قدر مقبول و متداول ہوئیں کہ درس میں داخل ہو گئیں۔ ابن ابی اصیبعہ نے ان کتابوں کے علاوہ بقراط کی اور بہت سی کتابیں گنوائی ہیں جن کا شمار ۹۰ تک پہنچتا ہے۔ لیکن مصنف مذکور کا بیان ہے کہ ان میں بعض مشتبہ ہیں۔

بقراط کی ترجمہ شدہ تصنیفات میں سے جن کے مترجموں کا نام ہم تفصیل سے معلوم کر سکے ہیں، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

نام کتاب	مضمون	مترجم	کیفیت
عہدِ بقراط	اس میں بقراط نے وہ شرائط بتائے ہیں جسکے بغیر کسی کو فنِ طب نہیں پڑھنا چاہیئے	حنین	اول الذکر نے سریانی اور حبیش وعیسیٰ نے عربی میں ترجمہ کیا۔
فصول	تمام مسائل طبیہ کا خلاصہ ہے۔	حنین	محمد بن موسیٰ شاکر کے لیے ترجمہ کیا گیا۔ سات مقالوں میں ہے۔
تقدمۃ المعرفۃ	علامات مرض کا بیان ہے	حنین و عیسیٰ	تین مقالے ہیں۔
الامراض الحادۃ	غذا، فصد، مسہل وغیرہ کا بیان ہے۔	عیسیٰ بن یحییٰ	اس کتاب کے پانچ مقالوں میں سے صرف تین کا ترجمہ ہوا۔
کتاب الکسر والجبر	ہڈیوں کے ٹوٹنے اور جوڑنے کا بیان ہے	حنین	چار مقالے
کتاب الفرق	"	"	
الصناعۃ	"	"	
کتاب الغیض	"	"	
شفاء الامراض	"	"	
مقالات خمس	تشریح میں ہے	"	
اسطقسات	اربعہ عناصر	"	

نام کتاب	مضمون	مترجم	کیفیت
کتاب المزاج	"	"	
القوی الطبیعۃ	"	"	
العلل والاعراض	"	"	
تعرف علل الاعضا الباطنۃ	جیش	"	
کتاب النبض الکبیر	"	"	سولہ مقالے ہیں
کتاب الحمایات	حنین	"	
البحران	"	"	تین مقالے ہیں
ایام البحران	"	"	
تدبیر الاصحار	جیش	"	چھ مقالے ہیں
حیلۃ البرء	"	"	۱۴ مقالے ہیں پہلے مقالہ کو حنین نے درست کیا۔

شہر کی خاک چھانی گئی۔ تصنیفات کے پتہ لگانے میں بڑی آسانی یہ ہوئی کہ جالینوس نے اپنی تصنیفات کی خود ایک فہرست لکھی تھی اور اس کا ترجمہ کر لیا گیا۔ مترجمین میں سے حنین بن اسحٰق نے اپنی تمام زندگی اسی کی تصنیفات کے ترجمہ میں صرف کر دی۔ چنانچہ اس نے اپنی ایک تصنیف میں جالینوس کی ۲۱ کتابوں اور رسالوں کا نام معہ تصریح مضامین لکھا ہے اور بیان کیا ہے کہ یہ تمام کتابیں عربی میں ترجمہ کر لی گئیں۔ علامہ ابن ابی اصیبعہ نے حنین کا یہ قول نقل کر کے لکھا ہے کہ اس وقت حنین کی عمر ۴۸ برس کی تھی اور اس وقت اس قدر کتابیں اس کو بہم پہنچ سکیں۔ اور چونکہ حنین نے ۷۰ برس کی عمر پائی تھی، اس لیے

یہ یقینی ہے کہ اس نے جالینوس کی اور تصنیفات بھی حاصل کی ہونگی۔ اس کے بعد علامہ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ میں نے خود جالینوس کی بہت سی کتابیں عربی زبان میں دیکھیں جن کا ذکر حنین نے اپنی فہرست میں کیا ہے چنانچہ علامہ موصوف نے ان کتابوں کے نام تفصیل سے لکھے ہیں جن کی تعداد ۳۲ ہے۔ جالینوس نے بقراط کی اکثر کتابوں کی شرح لکھی ہے۔ ان کا ترجمہ بھی عربی میں کیا گیا۔ چنانچہ بقراط کی جس قدر کتابوں کا نام اوپر مذکور ہوا جالینوس کی سب پر شرح ہیں اور سب کا ترجمہ عربی میں موجود ہے۔ بہر حال اس میں شبہ نہیں کہ جالینوس کی تصنیفات جس قدر اس وقت دنیا میں موجود ہیں ایک ایک کر کے ترجمہ کی گئیں۔ جن کتابوں کے متعلق ہم زیادہ تفصیل معلوم کر سکے ان کا ایک مختصر نقشہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

نام کتاب	مضمون	مترجم	کیفیت
ابیدیمیا		عیسیٰ بن یحییٰ	
اخلاط		"	اس کتاب کا ترجمہ احمد بن موسیٰ شاکر کے حکم سے ہوا۔
قاطیطریون	اعمال ید کا بیان	حنین	محمد بن موسیٰ شاکر کے حکم سے۔
کتاب الماء والہواء	مختلف ملکوں کی آب و ہوا کی تاثیر	حنین، حبیش	
طبیعۃ الانسان [1]	بدن کی ترکیب کا بیان	"	

جالینوس ۵۹ء میں پیدا ہوا، اور ہندو حساب پڑھنے کے بعد سترہ برس کی

[1] بقراط کی ان تصنیفات اور ان کے علاوہ اور تصنیفات کے مضامین کو مورخ یعقوبی اور ابن ابی اصیبعہ نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔

عمر میں طب کی تحصیل شروع کی اور اس کی تکمیل کے لیے ایتھنز، سائرس، اٹلی، اسکندریہ کا سفر کیا[۱]۔ اس نے فن طب کے متعلق بہت سے نئے مسائل دریافت کیے اور اس فن کو اس حد تک پہنچایا کہ اسلام کے دور تک اس پر کچھ اضافہ نہ ہو سکا۔ مسلمانوں نے اس کی تصنیفات کے بہم پہنچانے اور ترجمہ کرنے میں بے انتہا کوشش کی۔ ایک کتاب البرہان کی تلاش میں جزیرہ و شام، فلسطین و مصر کے ایک ایک شہر میں یہ تمام کتابیں قدیم زمانہ میں اسلامی درسگاہوں کے نصاب تعلیم میں داخل تھیں۔ ان کے سوا جالینوس کی اور تصنیفات حسب ذیل ہیں:

نام کتاب	مضمون	مترجم	کیفیت
کتاب التشریح الکبیر	تشریح کا بیان ہے	حبیش	۱۵ مقالوں میں ہے۔
اختلاف التشریح	”	”	۲ مقالے ہیں
تشریح حیوان المیت	مردہ جانوروں کی تشریح	”	۱ مقالہ ہے
تشریح الحیوان الحی	زندہ جانوروں کی تشریح	”	۲ مقالے
علم البقراط بالتشریح	”	”	۵ مقالے
علم ارسطو فی التشریح	”	”	۳ مقالے
تشریح رحم	”	”	۱ مقالہ
حرکات صدر والریۃ	”	اصطفن بن بسیل	۲ مقالے حنین نے ترجمہ کی اصلاح کی
علل النفس	”	”	۲ مقالے

[۱] جالینوس نے اپنے حالات آپ نہایت تفصیل سے لکھے ہیں۔ چنانچہ ابن ابی اصیبعہ نے اس کے حوالہ سے نہایت دلچسپ واقعات اپنی تاریخ میں جمع کیے ہیں۔

نام کتاب	مضمون	مترجم	کیفیت
کتاب الصوت	”	حنین	یہ کتاب محمد بن عبد الملک الزیات کے لیے ترجمہ کی گئی، ۴ مقالے
حرکۃ العضل	”	حنین اصطفن	حنین نے اصلاح کی ۱ مقالہ
کتاب الحاجۃ الی النبض	”	حبیش	۱ مقالہ
کتاب الحاجۃ الی النفس	”	اصطفن	
کتاب العادات	”	حبیش	۱ مقالہ
آرا ابقراط و فلاطن	”	”	۱۰ مقالے
کتاب الحرکات المجہولۃ	”	حنین	۱ مقالہ
کتاب الامتلاء	”	اصطفن	”
منافع الاعضاء	”	حبیش	۱۷ مقالے
کتاب افضل الہیات	”	حنین	سریانی و عربی دونوں میں ترجمہ ہوئی، ۱ مقالہ
خصب البدن	”	حبیش	۱ مقالہ
کتاب سوء المزاج المختلف	”	حنین	”
الادویۃ المفردہ	”	”	۱۱ مقالے
کتاب الاورام	”	ابراہیم بن الصلت	۱ مقالہ
کتاب المنی	”	حبیش	۲ مقالے
المولود سبعۃ اشہر	”	حنین	۱ مقالہ

نام کتاب	مضمون	مترجم	کیفیت
کتاب المرۃ اسوداء	؍؍	اصطفن	۱ مقالہ
کتاب رداءۃ النفس	؍؍	حنین	۳ مقالے
نقد و المعرفہ	؍؍	عیسیٰ بن یحییٰ	۱ مقالہ
البحث علی تعلیم الطب	؍؍	حبیش	۱ مقالہ
؍؍ الطبیب	؍؍	حنین	؍؍
کتاب البرہان	؍؍	؍؍	یہی کتاب ہے جس کی تلاش میں حنین نے تمام ملکوں کا سفر کیا تھا۔
تعریف المرء عیوب نفسہ	؍؍	توما	
کتاب الاخلاق	؍؍	حبیش	۴ مقالے
انتفاع الاخیار باعدائہم	؍؍	؍؍	۱ مقالہ
ماذکرہ افلاطون فی طیماوس	؍؍	حنین و اسحاق	۲ مقالے
فی ان قوی النفس تابعۃ لمزاج البدن	؍؍	حبیش	

ان مشہور اطبا کے سوا اور یونانی اطبا کی تصنیفات و تالیفات کے بھی ترجمے کیے گئے، مثلاً ارشیجانس جو جالینوس سے پہلے تھا۔ اس کی تین کتابیں عربی میں ترجمہ کی گئیں۔ کتاب استقام الارحام، طبیعۃ الانسان، کتاب فی النقرس۔[۲]

جالینوس سے پہلے ایک اور بڑا نامی طبیب گذرا ہے جس کا نام روفس (RUFES) تھا۔

[۱] یہ پوری فہرست ابن الندیم کی کتاب سے مرتب کی گئی ہے دیکھو کتاب الفہرست صفحہ ۲۹۰

[۲] ابن ابی اصیبعہ صفحہ ۴۴

اس کی ۴۳ کتابوں کے نام علامہ ابن الندیم نے اپنی کتاب میں بہ تفصیل نقل کیے ہیں۔ اور چونکہ علامہ موصوف کی کتاب کا موضوع انہی کتابوں کا نام لکھنا ہے جو عربی زبان میں ترجمہ ہوئیں۔ اسلیے یہ یقینی ہے کہ ان کتابوں کا ترجمہ کیا گیا تھا۔ ان کے سوا جن حکماء کی تصنیفات کے ترجمے ہوئے ان کے اور ان کی تصنیفات کے نام حسب ذیل ہیں:

نام مصنف	تصنیفات ترجمہ کردہ
فیلغریوس	کتاب من لایحضرہ طبیب، وجع النقرس، کتاب الحصاة کتاب المار الاصفر، کتاب وجع الکبد، کتاب قولنج، کتاب الیرقان، کتاب خناق الرحم، کتاب عرق النسا، کتاب السرطان، کتاب صنعۃ تریاق الملح، کتاب عضۃ الکلب، کتاب علامات الاستسقاء، کتاب فی القوباء کتاب فیما لعرض للثۃ والاسنان۔
اوریباسیوس (ORIBASIUS)	کتاب الی ابیہ، کتاب الی ابنہ، رسالۃ فی التشریح کتاب الادویہ، کتاب السبعین۔ اول دو کتابوں کا ترجمہ حنین نے کیا اور کتاب الادویہ کا ترجمہ اصطفن نے کیا۔
اداریس	کتاب العلل
اقلاطون طبیب	کتاب الملکی
مغنس الحمصی (بقراط کا شاگرد)	کتاب البول
نولیس الاجانیطی	کتاب الکناش، کتاب علل النسا، مترجمہ حنین
اقریطون	کتاب الزینہ، یہ طبیب جالینوس سے پہلے اور بقراط کے بعد تھا۔

نام مصنف	تصنیفات ترجمہ کردہ شدہ
اسکندروس	علل العین و علاجہا، کتاب ایہ سام، کتاب الحیات و التی تتولد فی البطن ۔ مترجمہ ابن البطریق
مورنوس	کتاب الحقن مترجمہ اصطاث

اس سلسلہ میں **ولیسفوریدس** کا نام خاص حیثیت رکھتا ہے۔ یہ وہ حکیم ہے جس نے دواؤں اور ہر قسم کی بوٹیوں پر اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر ایک بہت بڑی مفصل کتاب لکھی، وہ ہمیشہ جنگلوں اور صحراؤں اور جزیروں اور دور دراز مقامات میں سفر کیا کرتا تھا اور جو نئی دوا ہاتھ آتی تھی اُس کی تاثیر قلمبند کرتا تھا۔ اس کے ساتھ اسکی تصویر بھی کھینچتا تھا۔ جالینوس کا بیان ہے کہ ادویہ مفردہ کے متعلق میں نے چودہ کتابیں مختلف مصنفوں کی دیکھیں لیکن ولیسفوریدس کی کتاب کو کوئی نہیں پہنچتی۔ اس کتاب کا ترجمہ اور اس کی تصحیح جس اہتمام سے کی گئی، اس کو ہم کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھ آئے ہیں۔ ولیسفوریدس کی یہ کتاب خود ہماری نظر سے گذری ہے۔ تعجب ہے کہ ولیسفوریدس کی اس کتاب پر اطبائے مابعد نے کچھ اضافہ نہیں کیا۔

مسلمانوں میں **ابن جلجل** اندلسی صرف ایک شخص گذرا ہے جس نے اپنے تجربہ سے کچھ دوائیں اس پر اضافہ کیں اور ان کو ایک مستقل کتاب میں قلم بند کیا۔

یونانی تعلیم نے چونکہ عالمگیری حاصل کی تھی، تمام ممالک میں اسکی شاخیں قائم ہوگئیں تھیں۔ اس سلسلہ میں اسکندریہ سب سے زیادہ ممتاز ہے۔ یہاں سات بڑے بڑے نامور طبیب پیدا ہوئے، جنھوں نے طب یونانی کو بہت ترقی اور وسعت دی ان لوگوں نے جالینوس کی ۱۶ کتابوں کو خاص کر اپنا لیا تھا اور ان کے خلاصے اور شرحیں لکھی تھیں۔

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام حکما کی تصنیفات عربی میں ترجمہ کی گئیں۔ علامہ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء میں لکھا ہے کہ "ان تمام شرحوں میں میں نے جس کو سب سے بڑھ کر پایا وہ جالینوس کی شرح ہے۔ اس شرح سے اس کا نہایت فضل و کمال ثابت ہوتا ہے۔

ان میں سب سے اخیر یحییٰ تھا جس کا مختصر ذکر فلسفہ کے بیان میں ہو چکا ہے، وہ فلسفہ اور طب میں نہایت کمال رکھتا تھا اور اسکندریہ میں لشب کے عہدہ پر ممتاز تھا۔ قیصر روم نے اس کو قسطنطنیہ میں بلایا تھا اور چونکہ فن طب میں کوئی شخص اس کا ہمسر نہ تھا دربار میں نہایت قبول حاصل ہوا اور مدت تک وہ قسطنطنیہ میں رہا۔ اس نے جالینوس کی ۱۹ کتابوں پر شرحیں لکھیں جو سب عربی میں ترجمہ کی گئیں۔ ابن ابی اصیبعہ نے ان سب کے نام تفصیل سے لکھے ہیں لیکن میں بہ لحاظ اختصار قلم انداز کرتا ہوں۔

اطبائے اسکندریہ کے معاصر، شام و روم میں بھی بہت سے نامی اطبا تھے، مثلاً شمعون، اہرن، یوحنا، الطلیس، بوطناؤس، سندہشاد، کہماں، اور اس بوینوس، بیرونی، سیورخنا، فلاغوسوس، عیسیٰ، سرجیس، اطنوس، غرنقیوریوس وغیرہ وغیرہ

ابن ابی اصیبعہ نے مذکورہ بالا طبیبوں اور ان کی تصنیفات کے نام لکھ کر لکھا ہے کہ ان حکیموں کی اکثر تصنیفات اس وقت موجود ہیں اور ابوبکر رازی نے اپنی کتاب میں جس کا نام حاوی ہے اکثر ان کتابوں سے نقل کیا ہے۔

ہندسہ (یا) جامیٹری

اس فن کا موجد اول جس نے اس کے ابتدائی اور جزوی مسائل کو فن کی صورت میں

مرتب کیا تھیلز ہے جو حضرت عیسیٰ سے ۶۲۰ برس پہلے تھا۔ دائرہ اسی کی ایجاد ہے
اقلیدس کے تیسرے مقالے کی شکل بھی جو کہ زاویہ نصف دائرہ میں ہوتا ہے قائمہ ہوتا ہے
اسی کی ایجاد ہے۔

اس کے بعد انکزیگورس نے کچھ مسائل اضافہ کیے جن میں سے دائرہ کی تربیع بھی تھی
لیکن ان حکما کی تصنیفات مسلمانوں کو نہیں مل سکیں۔ کیونکہ وہ اسلام سے پہلے ناپید
ہو چکی تھیں۔ اس سلسلہ میں سب سے متقدم زمانہ کی جو تصنیف مسلمانوں کو مل سکیں وہ اقلیدس کی
تصنیف تھی۔ یہ مشہور فاضل حضرت عیسیٰ سے ۲۷۲ برس پہلے تھا۔ وہ اگرچہ یونان کا
باشندہ نہ تھا لیکن چونکہ تعلیم یونانی میں پائی تھی اور اس کی تصنیفات بھی یونانی ہی
زبان میں تھیں، اس لیے وہ یونانی ہی کہلاتا تھا۔

مسلمانوں نے اس کی تصنیفات نہایت جد و جہد سے بہم پہنچائیں اور عربی زبان
میں ان کے ترجمے کیے گئے۔

ہندسہ میں اس کی مشہور کتاب جو اس کے نام سے مشہور ہے اس کا ترجمہ اوّل
حجاج ابن یوسف بن مطر نے ہارون الرشید کے لیے کیا۔ پھر اسی نے دوسرا ترجمہ
مامون الرشید کے لیے کیا، اور یہ ترجمہ زیادہ صحیح اور صاف تھا۔

اسحاق بن حنین نے بھی اس کا ترجمہ کیا، اور ثابت بن قرہ نے اس کی اصلاح کی۔
حجاج کے نسخہ میں کل شکلیں ۴۶۸ ہیں، ثابت کے نسخہ میں ۱۰ شکلیں زائد ہیں۔ کچھ مقالے
ابو عثمان دمشقی نے بھی ترجمہ کیے۔

علمائے اسلام نے نہایت کثرت سے اس کتاب کی شرحیں لکھی ہیں۔ جن میں سے

لے اس عنوان کی تفصیل میں جن حکماء اور اہل فن کے نام آئے ہیں انکی تصحیح انگریزی حرفوں میں اوپر گذر چکی ہے۔

یزیدی، جوہری، ماہانی، ابوحفص الحرث خراسانی، ابوالوفا، ابجوزجانی، ابوالقاسم الانطاکی،
احمد بن محمد الکرابیسی، ابویوسف الرازی، قاضی عبدالباقی بغدادی، ابوعلی الحسن بن الہیثم
المصری، ابوجعفر خازن اہوازی، ابوداؤد سلیمان بن عقبہ کا نام خصوصیت سے لیا گیا ہے
قاضی عبدالباقی کی شرح نہایت بسیط ہے۔ اس نے اشکال کی مثالیں اعداد سے دی ہیں
ابن ہیثم نے مصادرات کی شرح لکھی ہے اور ایک کتاب میں اس کے مسائل پر اعتراضات
لکھے ہیں اور پھر جواب دیے ہیں۔ ثابت بن قرۃ نے ان علل کی تشریح کی جن پر اقلیدس نے
شکلوں کی ترتیب رکھی ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یورپ کو یہ کتاب عرب ہی کی بدولت اور عربی
ہی زبان میں ملی۔ چنانچہ اول اس کا ترجمہ عربی سے اڈبلرڈ دو باث نے کیا۔[۱]

ہندسہ میں اقلیدس کی اور بھی تصنیفات ہیں اور وہ عربی میں ترجمہ کی گئیں۔

اقلیدس کے بعد دو بہت بڑے نامور فاضل گذرے جنھوں نے فن ریاضی کو
اوج کمال تک پہنچادیا۔ ارشمیدس و ابلونیوش۔

ارشمیدس سرقوسہ میں ۲۸۰ برس قبل مسیح پیدا ہوا، اور اسکندریہ کے مدرسہ
میں علوم کی تکمیل کی۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے ہندسہ کو عملی طور پر برتا اور اس کے
ذریعہ سے بہت سے مفید آلات ایجاد کیے۔ پانی کی گھڑی بھی غالباً اسی کی ایجاد
ہے۔ اس حکیم کی جو تصنیفات عربی زبان میں ترجمہ کی گئیں حسب ذیل ہیں:

نام کتاب	کیفیت	نام کتاب	کیفیت
کتاب الکرۃ والاسوانہ	دو مقالے	تربیع الدائرہ	ایک مقالہ ہے۔

[۱] دائرۃ المعارف مطبوعہ بیروت ذکر اقلیدس۔

نام کتاب	کیفیت	نام کتاب	کیفیت
تسبیع الدائرہ	دائرہ کے سات حصہ کرنے کی کیفیت	الدائرہ المماسہ	
المثلثات		الخطوط المتوازیہ	
المفروضات		الماخوذات فی اصول ہندسہ	
ساعات الماء	یعنی پانی کی گھڑیاں	خواص المثلثات القائمۃ الزاویہ	

ارشمیدس کی کتابیں آج کل یونانی میں چھاپی گئی ہیں، اور موسیو پیرارسے نے فرنچ زبان میں ان کا ترجمہ بھی کیا ہے۔[1]

ارشمیدس کی تصنیفات میں سے چونکہ کرہ اور اسطوانہ کی کتاب زیادہ مہتمم بالشان تھی، مسلمانوں نے اس کے ساتھ زیادہ اعتنا کیا۔ ثابت بن قرہ نے ترجمہ کی اصلاح کی۔ اوطوقیوس نے اس کی مشکلات کی جو شرح لکھی تھی اس کا بھی عربی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ محقق طوسی نے اس کی تحریر لکھی۔ اس کتاب میں ۴۸ شکلیں ہیں۔ اسی طرح کتاب الماخوذات کی طرف بھی بہت توجہ کی گئی۔ ابوالحسن علی نے اس کی تفسیر لکھی، طوسی نے اصلاح کی، ابوسہل نے بھی اس کو ترتیب دیا۔

ابلونیوس نے اس فن کو اور بہت زیادہ ترقی دی اور اسکندریہ کے مدرسہ کی شہرت اسی کی وجہ سے حد کمال کو پہنچ گئی۔ اس کی تصنیفات کے بہم پہنچانے میں بہت زیادہ جدوجہد کی گئی کیونکہ پوری کتاب کا نسخہ کہیں موجود نہ تھا۔ مامون الرشید نے روم سے جو کتابیں منگوائی تھیں ان میں یہ بھی آئی تھی، یہ کتاب اصل میں آٹھ مقالوں میں تھی لیکن مسلمانوں کو صرف ۷ مقالے ملے اور آٹھویں مقالے کی صرف چار شکلیں۔ چار پہلے مقالوں کا ترجمہ

---

[1] ارشمیدس اور اس کی تصنیفات کیلئے دیکھو کتاب الفہرست و دائرۃ المعارف ذکر ارشمیدس و کشف الظنون

بلال حمصی نے اور تین مقالوں کا ثابت بن قرہ نے ترجمہ کیا، اور ابلونیوس کی اور کتابیں جو عربی میں ترجمہ کی گئیں حسب ذیل ہیں :

کتاب قطع الخطوط علی نسبتہ کتاب فی النتہ المحدودۃ کتاب قطع السطوح علی نسبتہ کتاب الدوائر المماسہ	ثابت بن قرہ نے اسکے پہلے مقالہ کی اصلاح کی

ان دو ہندسوں کے بعد منالاؤس اور وطوقیوس کا نام زیادہ مشہور ہوا، اور انھوں نے درحقیقت اس فن کو ترقی دی۔ منالاؤس (MENLUS) اسکندریہ کا رہنے والا تھا اور ۱۰۰ء میں تھا۔ بطلیموس نے اپنی کتاب مجسطی میں اس کا حوالہ دیا ہے۔ اس کی تصنیفات حسب ذیل ہیں۔ جن کا ترجمہ عربی زبان میں ہوا۔

الاشکال الکریہ	
کتاب معرفتہ الکیمتہ	چند اجسام جو مخلوط کر دیے جائیں، اُن کی دریافت کا طریقہ
اصول ہندسہ	تین مقالوں میں ہے، ثابت بن قرہ نے ترجمہ کیا۔
کتاب المثلثات	صرف چند اجزاء کا عربی میں ترجمہ ہوا۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں لکھا ہے کہ اس مصنف کی جو تصنیفات یورپ کو ملیں وہ عربی زبان کے ذریعہ سے ملیں ورنہ اس کی اصل مفقود ہے۔

ان مشہور اہل فن کے سوا جن مصنفوں کی کتابیں ترجمہ ہوئیں ان میں سے ارسطو وغیرہ کی کتابوں کا ذکر اوپر گذر چکا۔ باقی کی تفصیل حسب ذیل ہے:

اوطوقیوس ۵۰۰ء میں تھا اور شام کا رہنے والا تھا۔ اس نے ارشمیدس کی

مشہور کتاب الکرہ والاسطوانۃ کے پہلے مقالہ کی شرح لکھی۔ ہندسہ میں اس کی ایک اور کتاب دو خطوں کے بیان میں ہے۔ اس میں اس نے تمام حکمائے مہندسین کا مذہب اور اُن کے اقوال اور دلائل نقل کیے ہیں۔ ان دونوں کا ترجمہ عربی زبان میں ہُوا۔ پچھلی کتاب کا ترجمہ ثابت نے کیا اور نہایت خوبی سے کیا۔[1]

سنبلیقوس (SENUPLY QUS) یہ یحییٰ نحوی کا معاصر تھا۔ اس نے اقلیدس کی شرح لکھی، چنانچہ اس کا ترجمہ عربی زبان میں موجود ہے۔

دیگر علوم و فنون

علوم مذکورہ بالا کے علاوہ اور بہت سے علوم و فنون تھے، جن پر یونانی زبان میں سینکڑوں تصنیفات موجود تھیں اور جہاں تک مل سکیں عربی زبان میں ترجمہ کی گئیں، لیکن اُن کی تفصیل لکھی جائے تو بہت بڑا دفتر بن جائے اور ناظرین گھبرا جائیں اس لیے اجمالی طور پر اشارہ کرنا کافی ہوگا۔

بہت بڑا سرمایہ یونانی زبان میں ادب اور تاریخ کا تھا۔ یونانی کو فصاحت و بلاغت پر اس قدر ناز تھا کہ وہ تمام دنیا کو الکن سمجھتے تھے۔ فصاحت و بلاغت کے اصول اوّل یونانیوں نے منضبط کیے۔ ارسطو نے اس فن کو منطق میں داخل کیا اور اس کو ایک جداگانہ باب میں لکھا، جس کا نام ریطوریقا ہے۔ یہ بعینہٖ عربی زبان میں ترجمہ کی گئی۔ ارسطو کے سوا اور لوگوں نے بھی اس فن میں کتابیں لکھیں، اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے متعدد کتابیں عربی میں ترجمہ کی گئیں۔

---

[1] فہرست ابن الندیم صفحہ ۲۶۷

یونانی لٹریچر کی جان اور روح ہومر کا کلام ہے جس کی نسبت یورپ کا دعویٰ ہے کہ کل دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی شاعر نہیں ہوا۔

ہومر کا ترجمہ خلیفہ مہدی کے عہد میں اُس کے مشہور منجم ماوفیلوس نے سریانی زبان میں کیا۔ یونان کے اور بہت سے افسانے جو الشاکی حیثیت رکھتے تھے ترجمہ کیے گئے۔ علامہ ابن الندیم نے ان کے نام بھی گنائے ہیں، مثلاً کتاب سمسہ ودمن ودیانوس نانطوس یا ح دیون دراجیل وغیرہ وغیرہ لیکن عربی لہجہ کے تصرفات میں ان کتابوں کے نام اس قدر بدل گئے ہیں کہ ہم ان کے اصلی یونانی نام نہیں معلوم کر سکے۔

تاریخ اور اس کے متعلق اس کثرت سے کتابیں عربی زبان میں ترجمہ کی گئیں کہ یونان و روم کے حالات عربی زبان میں جس وسعت اور استقصار سے ملتے ہیں۔ خود اسلامی ممالک کے حالات میں اس قسم کی اکثر جزئیات نہیں ملتیں۔ چنانچہ مورخ مسعودی کی تصنیفات کے دیکھنے سے اس بات کا اندازہ ہو سکتا ہے مسعودی کے زمانے سے پہلے اور خود اسکے زمانہ میں بہت سے مصنفوں نے مفید تاریخیں عربی زبان میں لکھیں جو یونانی تصنیفات سے ماخوذ تھیں اور اس لحاظ سے ان کو بھی ایک قسم کا ترجمہ کہنا چاہیئے، مثلاً فرقہ ماردینہ میں سے قیس ماردنی نے ایک کتاب بادشاہان روم و مختلف ممالک کے حالات میں لکھی؛ فرقہ ملیکتہ میں سے ابن قسطنطن کی کتاب نہایت عمدہ خیال کی جاتی ہے۔ اسی طرح سعید بن البطریق جو سکندریہ کا لارڈ بشپ تھا اسکی کتاب جو عربی زبان میں ہے نہایت مستند خیال کی جاتی ہے اور ہماری نظر سے بھی گذر چکی ہے۔ اثنانیوس راہب نے آدم سے لیکر قسطنطن تک کے واقعات لکھے۔ یعقوب بن زکریا کسکری کی تاریخ کو اکثر تصنیفات

---

[۱] دائرۃ المعارف جلد ۴ صفحہ ۲۶۲

تاریخی پر ترجیح دی ہے۔ ابوزکریا نصرانی جو فلسفہ داں اور مسعودی کا معاصر تھا۔ اس نے اپنی کتاب میں بادشاہان یونان و روم کے واقعات کے علاوہ حکما اور ارباب فن کے حالات اور اُن کے اخلاق و عادات لکھے[1]۔

فلاسفہ اور حکما کے متعلق یونانی زبان سے نہایت مفید ذخیرہ ہاتھ آیا اور عربی میں منتقل ہوا۔ اسی کا اثر ہے کہ یونانی حکما، مثلاً افلاطون، بقراط، ارسطو وغیرہ کا نام آج بچہ بچہ کی زبان پر ہے اور ان کے مقولے اور کہاوتیں نقل محفل ہیں۔

فرفوریوس جو تیسری صدی عیسوی میں تھا جس کا ذکر فلسفہ کے بیان میں گذر چکا ہے۔ اس نے حکما و فلاسفہ کے حالات میں جو کتاب لکھی تھی اس کا بجنسہٖ ترجمہ کیا گیا، چنانچہ اس کے حوالوں سے علامہ ابن ابی اصیبعہ کی کتاب مالا مال ہے۔ جالینوس نے اپنی تصنیفات کی ایک فہرست لکھی تھی اور اس میں اپنے حالات بھی اکثر لکھے تھے وہ بھی ترجمہ کی گئی[2]۔ جالینوس عام طبی تصنیفات میں بھی اکثر اپنے واقعات لکھ جاتا ہے۔ اس سے بھی اس کے بہت سے حالات بہم پہنچے۔ بطلیموس نے ارسطو کے حال میں ایک مستقل کتاب لکھی تھی، اور اس کا بھی ترجمہ کیا گیا، غرض اس طرح یونانی حکما و اہل فن کے متعلق جو کچھ یونانی زبان میں موجود تھا، عربی زبان میں آ گیا، اور ان کو ترتیب دیکر نہایت عمدہ تالیفات تیار ہوئیں حنین بن اسحٰق کی کتاب نوادر الفلاسفہ والحکما اور مبشر بن فاتک کی کتاب مختار الحکم و محاسن الکلم اور ابن جلجل اندلسی کی کتاب اور جمال الدین قفطی اور شہرزوری کی تاریخ الحکما اور ابن ابی اصیبعہ کی طبقات الاطبا۔ یہ تمام کتابیں جن میں یونانی اور مصری حکما کے حالات دفتر کے دفتر ہیں۔ دراصل یونانی ہی تصنیفات ہیں جنھوں نے اپنا قالب بدل لیا ہے

---

[1] ان کتابوں کا ذکر کتاب التنبیہ والاشراف صفحہ ۱۵۴ و ۱۵۵ میں ہے
[2] طبقات الاطبا صفحہ ۷۴، جلد اوّل،

فن حرب میں یونان میں دو مصنف گذرے ہیں۔ ایلیانوس، پوچیس۔ ان مصنفوں نے لڑائی کے تمام اصول قلم بند کیے جس میں فوجوں کی تقسیم، صفوں کی ترتیب، فوجی مشقیں قواعد وغیرہ نہایت تفصیل سے مندرج ہیں۔ چنانچہ ان کتابوں کا عربی میں ترجمہ ہوا۔ اصل ترجمہ تو مجھ کو نہیں مل سکا، لیکن ان کتابوں سے اخذ کر کے عربی میں جو کتاب لکھی گئی وہ یورپ میں چھپ گئی ہے اور میرے مطالعہ میں ہے۔

مسلمانوں نے یونانی لٹریچر کے عمدہ اور ضروری حصہ پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ جو کچھ زبان میں موجود تھا سب کو لیا، یہاں تک کہ شعبدے اور نیرنگ جات، قیافہ و فال، اکسیر و کیمیا، طلسمات و حاضرات، ان لغویات سے بھی بے پروائی نہ کی۔

ارسطو کا ایک شاگرد **قالش تانس** (CALLIS TENES) نامی تھا اور اکثر سکندر کے ساتھ رہتا تھا۔ یونان میں غالباً اوّل اسی نے نیرنگ جات اور شعبدے ایجاد کیے اور ان پر کتابیں لکھیں۔ چنانچہ اس کی کتاب عربی زبان میں ترجمہ کی گئی جس کا نام الجامع فی النیرنجات والخواص ہے[1]

اس فن میں ایک اور نہایت مشہور فاضل گذرا ہے جس کا نام **ابلیناس** (APOLLONIUS) تھا۔ یہ پہلی صدی عیسوی میں تھا اور حضرت عیسیٰ کی نبوت کا منکر تھا۔ لوگوں سے کہتا تھا کہ حضرت عیسیٰ نے جو معجزے دکھائے میں بھی دکھا سکتا ہوں چنانچہ اس کے ثبوت میں شعبدوں کے کرشمے دکھاتا تھا۔ اس کی کتاب جس میں ان طلسمات کا بیان ہے جو خود اس نے جابجا قائم کیے تھے۔

قیافہ اور فال کے متعلق جو کتابیں ترجمہ ہوئیں حسب ذیل ہیں:

---

[1] فہرست صفحہ ۳۱۲

کتاب الفراسۃ، کتاب زجرالروم، کتاب الخیلان مصنفہ فیلنس رومی، کتاب فیثاغورث فی القرطہ، کتاب قرعۃ ذی القرنین، کتاب القرعۃ المتبوعۃ الی الاسکندر۔
خواب کی تعبیر کے متعلق حسب ذیل کتابیں ترجمہ کی گئیں:

کتاب ارطامیہ درس۔ کتاب النوم والیقظہ لیفریوس۔

کیمیا کی بہت سی کتابیں ترجمہ ہوئیں اور افسوس یہ ہے کہ اس نے ہزاروں لاکھوں آدمیوں کو مدت تک بوالہوسی کے دام میں پھنسائے رکھا اور آج بھی ہزاروں پڑھے لکھے اس مرض میں مبتلا ہیں۔ بہرحال اس فن کی جو کتابیں عربی زبان میں آئیں حسب ذیل ہیں:

کتاب ویلغرس فی الصنعۃ، کتاب الاسکندر فی الحجر، کتاب ویلغرس فی جواب یدلیوس، کتاب قلوپطرہ، کتاب تنضاس، کتاب دوسمیوس، کتاب کرمانوس۔

علامہ ابن الندیم نے اور بہت سی کتابوں کے نام لکھے ہیں اور یہ ممکن تھا کہ میں تلاش اور کوشش سے ان کتابوں اور ان کے مصنفین کے صحیح نام دریافت کرتا لیکن اس بیہودہ شغل میں اگلوں نے وقت ضائع کیا، تو میں کیوں اپنی اوقات خراب کروں۔

فارس

مسلمانوں کو فارس کے علمی ذخیرے سے جس قدر واقفیت ہونے کے ذریعے تھے اور کسی زبان سے نہ تھے۔ فارسی نسلیں نہایت کثرت سے اسلام لائیں عباسیوں کے دربار میں عموماً مجوسی بھرے ہوئے تھے جن میں بہت سے مذہباً مجوسی تھے اور ان سے ترجمہ اور تالیف کی خدمت متعلق تھی۔ سلاطین اسلام اکثر فارسی خاندان تھے۔ تاہم تعجب یہ ہے کہ فارسی زبان کا جو سرمایہ عربی زبان میں آیا، اس میں منطق، فلسفہ، ہیئت، ہندسہ کا پتہ

نہیں ملتا، یہاں تک کہ نہایت کدوکاوش سے کسی فارسی حکیم کا نام بھی نہیں معلوم ہوتا حالانکہ یونانی حکماء مثلاً ارسطو، افلاطون، بقراط، جالینوس کا نام بچے بچے کی زبان پر ہے۔ اس کی وجہ اس کے سوا اور نہیں ہو سکتی کہ مسلمانوں کے زمانہ سے پہلے فارس کا ذخیرہ اکثر برباد ہو چکا تھا، اور بالخصوص فلسفہ اور اس کے متعلقات بالکل ناپید ہو چکے تھے۔ اس کی تفصیل کسی قدر اپنے مضمون کتب خانہائے اسلام میں لکھ چکا ہوں۔ یہاں مزید اطمینان کے لیے حمزہ اصفہانی کا جو بہت بڑا نامور مورخ گذرا ہے اسکی عبارت نقل کرتا ہوں۔ فاما تواریخ من کان قبل الساسانیہ فلم اشتغل بہا الآفات المعترضۃ فیہا و ذالک ان الاسکندر لما استولی علی ارض بابل و قہر اہلہا حسدہم علی ما کان اجتمع لہم من العلوم التی لم تجتمع قط لامۃ من الامم مثلہا فاحرق من ما نالتہ یدہ قصد الی قتل الموبذۃ و الہربذۃ و العلماء والحکماء ومن کان تحفظ علیہم فی اثناء علومہم و تواریخ حتی الی عاملہم [1]

غرض مسلمانوں نے جب ترجمہ کے کام پر توجہ کی تو فارسی زبان میں جو ذخیرہ موجود تھا وہ تاریخ، طب، ادب، فن حرب وغیرہ کا ذخیرہ تھا اور وہ بھی آخیر زمانہ یعنی اردشیر اور اس کے بعد کی تصنیفات تھیں۔ مسلمانوں کو سب سے زیادہ دلچسپی

---

[1] تاریخ سنی ملوک لحمزۃ الاصفہانی مطبوعہ صفحہ ۱۲۲ ، اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ ساسانیوں سے پہلے زمانہ کی تاریخ پر میں نے توجہ نہیں کی کیونکہ اس پر بہت آفتیں آئیں، وہ یہ کہ سکندر نے بابل پر قبضہ پایا اور وہاں کے لوگوں کو دبا لیا تو ان کے علوم و فنون پر اس کو رشک ہوا چنانچہ اس نے ان کی جس قدر کتابیں پائیں سب جلا دیں اور موبذو اور علماء و حکماء کو قتل کرا دیا۔

فن تاریخ سے تھی، اور اسی لیے تاریخ کا جس قدر سرمایہ مل سکا عربی زبان میں منتقل کیا گیا۔ فارسی کی تاریخیں دو قسم کی تھیں۔ عام جس میں تمام سلاطین کے حالات و واقعات تھے، اور خاص جس میں کسی خاص بادشاہ یا خاص ملک اور شہر کا حال تھا چنانچہ دونوں قسم کی تاریخیں کثرت سے عربی میں ترجمہ کی گئیں۔

عام تاریخوں میں سے جن کتابوں کے نام ہم معلوم کر سکے حسب ذیل ہیں:

خدائی نامہ یہ نہایت مفصل کتاب تھی جس میں ابتدائے سلطنت عجم سے لیکر آخیر زمانہ تک مفصل حالات درج تھے۔ عبداللہ بن المقفع نے اس کا ترجمہ کیا اور اس کا نام تاریخ ملوک الفرس رکھا۔ یہ اصل کتاب اس قدر مقبول اور متداول تھی کہ بہرام بن مردان شاہ جو دولت عباسیہ کے عہد کا مترجم ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ میں نے بیس سے زیادہ مختلف نسخے اس کتاب کے فراہم کیے تھے[۱]

آئین نامہ، یہ نہایت مفصل تاریخ تھی اور اس کا ترجمہ بھی عبداللہ بن المقفع نے کیا[۲]۔ علامہ مسعودی نے لکھا ہے کہ یہ بہت بڑی کتاب ہے اور کئی ہزار صفحوں میں اس کا مکمل نسخہ بجز پارسی موبدوں کے اور کسی کے پاس نہیں پایا جاتا۔

گہن نامہ، یہ آئین نامہ کا ایک ٹکڑا ہے۔ اس میں عہدہ داروں و متوسلان سلطنت کے مراتب مذکور ہیں۔ چنانچہ اس میں چھ سو عہدوں اور ان کے مراتب اور درجات کا ذکر ہے۔

سیر ملوک الفرس، عبداللہ بن المقفع نے اس کا ترجمہ کیا لیکن نام اصل کتاب کا نہیں بلکہ ترجمہ کا ہے۔

---

[۱] خدائی نامہ کے لیے دیکھو حمزہ اصفہانی کی کتاب صفحہ ۱۶۱۸، ۲ و کتاب الفہرست صفحہ ۲۱۵

[۲] کتاب الفہرست صفحہ ۲۴۱ [۳] دیکھو کتاب التنبیہ والاشراف للمسعودی مطبوعہ یورپ صفحہ ۹۰۔۴

سیر ملوک الفرس[۱] مترجمہ زادویہ بن شاہویہ الاصفہانی،

سیر ملوک الفرس، مترجمہ محمد بن بہرام بن مطیار الاصفہانی،

سکیسران، یہ بھی نہایت مفصل تاریخ ہے مسعودی نے مروج الذہب میں لکھا ہے کہ اہل عجم اس کتاب کی نہایت عزت کرتے تھے۔ عبداللہ بن المقفع نے اس کا ترجمہ کیا۔ پہلوی زبان میں تھی۔ یہ تمام کتابیں شاہان فارس کے حالات وواقعات میں ہیں۔ لیکن ان کے اصلی نام معلوم نہیں ہو سکے۔[۲]

خاص خاص عہد یا خاص خاص اشخاص کی جو تاریخیں عربی زبان میں ترجمہ کی گئیں حسب ذیل ہیں:

تاریخ دولت ساسانی، خاندان ساسان کی یہ نہایت مفصل تاریخ تھی۔ اس میں عام حالات کے علاوہ ساسانیوں کے قوانین سلطنت اور طریق انتظام نہایت تفصیل سے درج تھے چنانچہ اس کا ذکر ہم تفصیل کے ساتھ ابتدا میں لکھ آئے ہیں۔ مورخ مسعودی نے اس کتاب کا نسخہ ۳۰۳ھ میں بمقام اصطخر دیکھا تھا۔

الیغا، مترجمہ ہشام بن قاسم الاصفہانی۔

[۳] اصلاح دادہ بہرام بن مردان شاہ جو شہر نیشاپور کا موبد تھا۔

رستم واسفندیار نامہ۔ اس میں رستم واسفندیار کے معرکوں کی تفصیل ہے جبلہ بن سالم نے اس کا ترجمہ کیا۔

بہرام نامہ مترجمہ جبلہ بن سالم۔

---

[۱] کتاب التنبیہ صفحہ ۱۰۴۔ [۲] ان چاروں کتابوں کا ذکر تاریخ حمزہ اصفہانی صفحہ ۸ میں ہے۔

[۳] ان دو آخیر کتابوں کا ذکر تاریخ حمزہ اصفہانی صفحہ ۹ میں ہے۔

کارنامہ۔ نوشیرواں کے حالات و واقعات ہیں

شہرزاد با پرویز

کارنامہ اردشیر بن بابک، جو بہت بڑا مدبر بادشاہ گذرا ہے۔ اس نے خود اپنے واقعات و حالات اس کتاب میں قلم بند کیے تھے[1]

کتاب المنلج

بہرام و نرسی نامہ

کارنامہ، نوشیرواں کے حالات ہیں۔

مزدک نامہ

نوشیرواں نامہ[2]

سیرت نامہ۔ ہداہودین فرخ زاد کی تصنیف ہے۔

عام تاریخوں اور سوانح عمریوں کے علاوہ اس قسم کی تمام تحریروں اور دستاویزوں کا بھی ترجمہ کیا گیا جس سے واقعاتِ تاریخی کا پتہ لگتا تھا۔ مثلاً نوشیرواں نے اپنے بیٹے ہرمز کو جو وصیت نامہ لکھا اور خاندان کے لیے جو وصیت لکھی، اردشیر بابکان کا عہد، شاپور کے نام کسریٰ و مرزبان کا سوال و جواب۔ نوشیرواں کا خط سردارانِ فوج کے نام۔ نوشیرواں اور جواسپ کی باہمی خط و کتابت، یہ اور اسی قسم کی بہت سی تحریریں عربی میں ترجمہ کی گئیں۔

باوجود اس کے کہ مسلمانوں نے فارس کی تاریخ کے ساتھ اس قدر اعتنا کیا، تاہم یورپ نے ان کی کوشش کی جو داد دی ہے وہ یہ ہے کہ ملکم صاحب جنھوں نے ایران کی

---

[1] مروج الذہب مطبوعہ یورپ صفحہ ۱۶۲، جلد اول [2] ان سات اخیر کتابوں کا ذکر کتاب الفہرست صفحہ ۳۰۵ میں ہے۔

تاریخ نہایت تحقیق و تدقیق سے لکھی تحریر فرماتے ہیں کہ

"تمام مورخوں نے جو صدر اسلام کے ہمعصر تھے لکھا ہے کہ پیغمبر کے اصحاب نے ایرانیوں کی پامردی اور دلیری سے طیش میں آ کر فتح کے بعد جس قدر ان کی مذہبی چیزیں پائیں برباد کر دیں، شہر کے شہر جلا دیے، آتشکدوں میں آگ لگا دی، موبدوں اور دستوروں کو قتل کر دیا اور جس قدر کتابیں تھیں، مذہبی یا تاریخی برباد کر دیں۔ قریباً چار سو برس تک کسی نے ایران کی قدیم تاریخ کے مرتب کرنے کی طرف توجہ نہیں کی۔ سب سے پہلی کوشش اس باب میں جو ہوئی وہ سلاطین سامانیہ کی طرف سے ہوئی اور وہ بھی اس وجہ سے کہ یہ خاندان بہرام چوبین کی نسل سے تھا اور ان کو اپنے باپ دادا کا نام زندہ کرنا مقصود تھا۔"

ملکم صاحب نے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ اول جو کتاب شاہان عجم کی تاریخ میں لکھی گئی وہ شاہنامہ تھی۔ ملکم صاحب نے صحابہ اور قرن اول پر جو متواتر اتہام لگائے ہیں ان سے قطع نظر کر کے ان کا یہ بیان کس قدر صحیح ہے کہ مسلمانوں نے چار سو برس تک ایران کی تاریخ پر توجہ نہیں کی ذلك مبلغهم من العلم غریب ملکم کو معلوم نہیں کہ ساسانیوں کے دور سے پہلے ایسے بہت سے مسلمان مورخ گزرے ہیں جنھوں نے اپنی تمام عمر صرف ایران کی تاریخ کی تدوین و ترتیب میں صرف کر دی۔ ان میں سے صرف ایک حمر کسروی تھا جس کا لقب اسی وجہ سے کسروی پڑ گیا تھا۔ خدائی نامہ جس کا ذکر ہم اوپر لکھ آئے ہیں، اس کی نسبت موسیٰ کسروی کا بیان ہے کہ میں نے اس کتاب کو بار بار پڑھا اور اس کی تصحیح و تحقیق میں بہت کوشش کی لیکن اس کے جس قدر نسخے ہاتھ آئے سب مختلف اور متناقض تھے۔ بالآخر میں حسن بن علی الہمدانی سے مقام مراغہ میں ملا، اور چونکہ وہ اس فن کا بہت بڑا ماہر تھا

اس سے اس کتاب کی تنقیح کرانی چاہی۔ اس کے بعد کسروی نے نہایت غور رسی سے جس طرح سنین اور تاریخ کی تحقیق ہے اس کو مفصل لکھا ہے۔ مورخ مسعودی کے باوجود اس کے عرب کی نسل سے ایک کتاب خاص بہادرانِ ایران کے معرکوں پر لکھی اور خود کتاب التنبیہہ والاشراف میں تصریح کی کہ میں نے یہ ابوعبیدہ کے جواب میں لکھی جس نے بہادرانِ عرب کے معرکے لکھے تھے۔ غریب ملکم کو یہ بھی نہیں معلوم کہ علامہ طبری مسعودی ابوحنیفہ دینوری، ابن واضح کاتب عباسی، حمزہ اصفہانی وغیرہ جنھوں نے ایران کی تاریخیں نہایت تحقیق و تدقیق سے لکھیں سب کی سب ساسانی دُور سے پہلے تھے۔

شاہنامہ۔ عام تاریخ کی حیثیت سے تو درکنار، منظوم تاریخ ہونے کی حیثیت سے بھی نئی تصنیف نہیں، سب سے پہلے جس نے شاہ نامہ نظم میں لکھا، وہ ابوعلی محمد بن احمد البلخی شاعر تھا۔ لیکن اس نے صرف شاعرانہ حیثیت سے یہ کتاب نہیں لکھی، بلکہ ایران کی نہایت قدیم اور نایاب تاریخیں فراہم کی ہیں۔ چنانچہ اس نے خود تصریح کی ہے کہ اس کتاب کے واقعات اس نے سیر الملوک عبداللہ بن المقنع و سیر الملوک محمد بن جہم البرکی و سیر الملوک ہشام بن القاسم و سیر الملوک بہرام بن مردان شاہ و سیر الملوک بہرام بن مہران اصفہانی سے لیے ہیں۔ اور بہرام مجوسی کی تصنیفات سے اس کا مقابلہ کیا ہے[1]

ملکم صاحب کی کوتاہ بینی تو بالکل تعصب پر مبنی ہے لیکن چونکہ ایران کی تاریخوں میں جو مسلمانوں نے لکھیں دُور از کار قصّے مثلاً سیمرغ، دیو سفید، مار ضحاک، ہفتخواں وغیرہ اکثر پائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ یونانی مورخوں کی تحریروں سے اکثر جگہ مطابق نہیں۔

---

[1] دیکھو کتاب الآثار مطبوعہ یورپ صفحہ ۹

اس لیے ظاہر میں یہ قیاس ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ایران کا قدیم تاریخی سرمایہ ہاتھ نہیں آیا لیکن درحقیقت یہ قیاس صحیح نہیں۔ مسلمان ہمیشہ سے اس بات کے عادی ہیں کہ جو روایات ان کے ہاتھ آئے اس کو بغیر کسی تصرف اور کانٹ چھانٹ کے بیان کر دیں۔ ایران کی قدیم تاریخوں میں یہ تمام دوراز کار قصے موجود تھے۔ اسلامی مورخوں نے ان کو اسی طرح نقل کر دیا نہ اس لیے کہ وہ بھی وہم پرست اور اس قسم کی مزخرفات پر یقین رکھنے والے تھے بلکہ اس لیے کہ نقل و روایت میں دیانت داری کا یہی مقتضا ہے کہ اپنی طرف سے کچھ تصرف نہ کیا جائے۔ مورخ یعقوبی نے اپنی تاریخ میں ضحاک وسلاطین کی درازیٔ عمر وغیرہ کی نسبت صاف تصریح کر دی ہے کہ ایرانیوں کی لغویات ہیں۔ بیرونی نے آثار الباقیہ میں لکھا ہے کہ ولہم فی التواریخ القسم الاول و اعمار الملوك و انا علیہم المشہورة عنہم ما یستنفر من اسماعہ القلوب و تمجہ الاذان ولا تقبلہ العقول[1]

یونانی مورخوں سے اختلاف کی یہ کیفیت ہے کہ مسلمانوں نے جب ایران کی تاریخ لکھنے پر توجہ کی تو ان کے سامنے دو مختلف ماخذ موجود تھے۔ خود ایرانی تصنیفات اور یونانی مورخوں کی جستہ جستہ تحریریں، لیکن مسلمانوں نے صاحب البیت ادری بمافیہا کے بموجب ایرانی ہی تصنیفات پر اعتبار کیا۔ مورخ مسعودی نے کتاب التنبیہ والاشراف میں صاف لکھا ہے[2]

ولم نذکر من ذلك الاماد کونہ الفرس دون غیرہم من الامم کالاسرائیلین والیونانیین والروم اذکان ما یذہبوا الیہ فی ذلك خلاف

---

[1] دیکھو کتاب الآثار الباقیہ للبیرونی مطبوعہ یورپ صفحہ ۱۰۰ ۔ [2] دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۱۰۵

ما حکتہ الفرس وکانت الفرس من احق ان یوخذ عنھا یعنی میں نے اس باب میں صرف وہ بیان کیا ہے جو ایرانیوں نے لکھا ہے، نہ وہ جو اور قوموں مثلاً یہودیوں، یونانیوں اور رومیوں نے لکھا ہے، کیونکہ ان قوموں کا بیان ایرانیوں سے مختلف ہے اور ایرانی ہی اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کی روایت اختیار کی جائے۔

تاریخ کے علاوہ مذہبی کتابوں کا ایک بڑا سلسلہ تھا اور وہ جہاں تک مل سکا عربی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔

ایران میں سب سے پہلا بانی مذہب جس کا نام ونشان معلوم ہے زرتشت تھا۔ اس پر جو کتاب بخیال اس کے آسمان سے اتری اس کا نام اوستا تھا۔ یہ کتاب قدیم پہلوی زبان میں تھی اور زرتشت نے خود اس کا ترجمہ کیا اور اس کا نام پاژند رکھا۔ پھر موبدوں نے اس شرح کی شرح لکھی جس کا نام پازدہ تھا۔ مجوسی اس تمام سلسلے کو آسمانی اور وحی الٰہی خیال کرتے تھے۔ شرح الشرح تو سکندر کے ہاتھوں بالکل برباد ہو گئی۔ لیکن اوستا اور ژندو پاژند کا سلسلہ باوجود سکندر کی غارت گری کے جا بجا بچا رہ گیا، اور وہی مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اوستا میں کل ۲۱ سورتیں تھیں اور ہر سورہ تقریباً چار چار سو صفحوں میں لکھی جاتی تھی۔ ان سورتوں میں ایک سورہ کا نام یادوخت تھا جس میں نصائح و پند تھیں۔ غرض یہ تمام سلسلہ مسلمانوں نے بہم پہنچایا اور نہایت احتیاط سے اس کو محفوظ رکھا۔ چنانچہ مورخ مسعودی نے تصریح کی ہے کہ چوتھی صدی کے آغاز تک یہ کامل نسخہ موجود تھا اور سیستان میں ایک شخص کو یہ کتاب تمام و کمال حفظ یاد تھی۔ اگرچہ قرائن سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ تمام کتابیں عربی زبان میں ترجمہ ہوئیں۔ لیکن اس قدر تو شہادتوں سے ثابت ہے کہ اوستا کا ترجمہ

عربی زبان میں ہوا، اور مدتوں تک اس کے نسخے پائے جاتے تھے۔ حمزہ اصفہانی چوتھی صدی ہجری میں تھا۔ اس نے اپنی کتاب تاریخ سنی الملوک میں جابجا اوستا کے عربی ترجمے کے حوالے دیے ہیں اور یہ ترجمہ خود اس کی نظر سے گذرا تھا۔ حمزہ اصفہانی نے جو تاریخ کبیر لکھی اس میں بھی تصریح کی ہے کہ میں نے کتاب کے واقعات کو اوستا سے مقابلہ کر کے صحیح کیا ہے۔[1]

زرتشت کے علاوہ اور بہت سے جو مدعیان نبوت یا بانیان مذہب پیدا ہوئے ان میں مرقیون، ابن دیصان، مزدک اور مانی زیادہ مشہور ہیں۔ مرقیون ٹیٹس کے زمانہ میں تھا جو قیصران روم کے سلسلہ میں بارھواں قیصر گذرا ہے۔ ابن دیصان، مرقیون سے ۳۰ برس بعد پیدا ہوا۔ مانی شاہ پور بن اردشیر کے زمانہ میں تھا۔ مزدک، قباد کا ہمعصر تھا۔ مرقیون اس بات کا قائل تھا کہ تمام کائنات نور و ظلمت سے پیدا ہوئی ہے خدا نے خود کائنات کو نہیں پیدا کیا کیونکہ کائنات بُرائی سے خالی نہیں اور خدا بُرائی کا خالق نہیں ہو سکتا۔ مرقیون نے عقائد وغیرہ کے متعلق ایک کتاب لکھی جس کا نام انجیل رکھا۔ یہ کتاب بعینہٖ عربی زبان میں ترجمہ کی گئی۔

ابن دیصان کا مذہب مرقیون سے قریب ہے، بلکہ گویا مرقیون کے مذہب کی ایک شاخ ہے۔ اس نے جو کتابیں تصنیف کی تھیں ان میں سے کتب ذیل کا عربی زبان میں ترجمہ ہوا۔

کتاب النور والظلمۃ، کتاب روحانیۃ الحق، کتاب المتحرک والجماد،

---

[1] اوستا اور ژندو پاژند کے متعلق دیکھو کتاب التنبیہ والاشراف صفحہ ۹۱، ۹۲، مسعودی مطبوعہ یورپ جلد دوم صفحہ ۲۶، و تاریخ حمزہ اصفہانی صفحہ ۹۲ و الآثار الباقیہ البیرونی صفحہ ۱۰۵۔

مانی نبوت کا مدعی تھا اور اپنے تئیں فارقلیط کا مصداق سمجھتا تھا۔ اس نے ایک انجیل تصنیف کی تھی جو موجودہ انجیل سے بالکل الگ تھی۔ اس کے اصول و عقائد یہ تھے کہ نور و ظلمت قدیم ہیں۔ احکام فقہی میں جانور کا ذبح کرنا، آگ، پانی، نباتات کو نقصان پہنچانا حرام ہے۔ اس کی تصنیفات بکثرت ہیں۔ جن میں سات بطور اصل کے ہیں ان میں ایک فارسی زبان اور چھ سریانی زبان میں ہیں۔ یعنی سفر الاسرار، سفر الجبابرہ، فرائض السماعین، شاہ پورگان، سفر الاحیار، فرقماطیہ۔

شاہ پورگان مذہبی کتاب ہونے کے ساتھ تاریخی حیثیت بھی رکھتی تھی۔ علامہ ابوریحان بیرونی نے اپنی کتاب الآثار الباقیہ میں جابجا اس کے حوالے دیئے ہیں اور لکھا ہے کہ تاریخی واقعات کے متعلق اردشیر کے زمانے کے بعد ایرانی تصنیفات میں سب سے زیادہ قابل اعتماد ہے۔[۱]

مانی کی تصنیفات ایک مدت تک موجود رہیں۔ علامہ ابوریحان بیرونی نے ایک رسالہ میں جو آثار الباقیہ کے ساتھ چھپا ہے۔ لکھا ہے کہ مجھ کو مانی کی تصنیفات کی بہت تلاش تھی۔ چنانچہ ایک دوست کے ذریعہ سے کتب ذیل میسر آئیں:

فرقماطیاء، سفر الجبابرۃ، کنز الاحیا، فتح الیقین، انجیل شاہ پورگان، سفر الاسرار۔ ان کتابوں کے علاوہ مانی نے بہت سے چھوٹے چھوٹے رسالے لکھے تھے، اور ان تمام رسالوں کا عربی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ ابن الندیم نے ان تمام رسالوں کے نام بہ تفصیل لکھے ہیں۔[۲]

۱۔ آثار الباقیہ صفحہ ۱۱۸ ۲۔ مانی و مرقیون و ابن دیصان اور ان کی تصنیفات و مسائل کا ذکر فہرست ابن الندیم و کتاب البیرونی لاشہرستانی و الآثار الباقیہ میں مفصلاً و مجملاً ہے۔

مانی کی تصنیفات و تالیفات اس کثرت سے عربی میں متداول ہوئیں کہ مسلمانوں میں اس کے معتقدات و خیالات عام طور پر پھیل گئے۔ یہاں تک کہ بہت سے لوگوں کی نسبت گمان کیا گیا کہ وہ مانی کے پیرو ہو گئے۔ مسعودی کے حوالہ سے ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ ابن ابی العرجاء حماد عجرد، یحییٰ بن زیاد، مطیع بن ایاس نے مانی کی تائید میں کتابیں لکھیں۔ ابن الندیم نے اور بہت سے مسلمان علما کے نام لکھے ہیں جو مانی کی پیروی میں بدنام تھے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ یہ نری تہمت ہے مسلمانوں میں ہمیشہ آزاد خیالی اور تعصب دونوں ساتھ ساتھ رہے ہیں۔ جو لوگ آزاد خیال تھے وہ ہر فرقہ اور ہر مذہب کے مسائل کی تحقیقات اور اس کا تذکرہ کرتے رہتے تھے۔ متعصبوں کے نزدیک غیر مذہب والوں کا نام لینا بھی کفر تھا۔ اس لیے جو آزاد خیال علماء غیر مذہب کے مسائل کو کسی حیثیت سے بیان کرتے تھے متعصبوں کے نزدیک وہ انہی مذاہب کے پیرو کہلاتے تھے۔

ایران میں سب سے آخیر جو شخص مذہبی فرقہ کا بانی ہوا وہ مزدک تھا۔ یہ نوشیرواں کے باپ قباد کے زمانہ میں تھا اور قباد اس کا مقلد ہو گیا تھا مزدک کا اصل مذہب تقریباً وہی تھا جو آج کل یورپ میں رڈیکل اور سوشلسٹ وغیرہ کا ہے۔ یعنی ہر آدمی دوسرے آدمیوں کے مال اور ناموس پر اختیار رکھتا ہے۔ اسی بناء پر مزدک کے مذہب میں زنا کچھ گناہ نہ تھا۔ یہ معلوم نہیں کہ مزدک نے کوئی تصنیف کی تھی یا نہیں، لیکن یہ ثابت ہے کہ اس کے مسلمات و معتقدات و احکام و مسائل جس قدر تھے عربی میں آ گئے تھے۔ چنانچہ علامہ بلخی نے اس پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام عیون المسائل والجوابات ہے[ل]۔ مزدک کے

[ل] کتاب الفہرست صفحہ ۳۴۲

حالات فارسی زبان میں قلم بند کیے گئے تھے۔ عبداللہ بن المقفع نے اس کا ترجمہ عربی زبان میں کیا۔[1]

تاریخی اور مذہبی تصنیفات کے بعد جو چیز مسلمانوں کو سب سے زیادہ مرغوب تھی، وہ فنِ ادب تھا۔ چنانچہ فارسی کے لٹریچر کا جس قدر سرمایہ ہاتھ آیا عربی میں ترجمہ کیا گیا۔ اس سلسلہ میں زیادہ دلچسپ اور لطیف کتاب ہزار افسانہ تھی جو عربی میں ترجمہ ہو کر الف لیلہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ کتاب اصل میں شاہانِ عجم کے مشغلہ اور شب بیداری کے لیے تصنیف ہوئی تھی۔ اس میں ہزار راتیں اور دو سو سے کم قصے تھے۔ چنانچہ اس کا بعینہٖ ترجمہ کیا گیا۔ لیکن موجودہ الف لیلہ فارسی کا ترجمہ نہیں ہے، بلکہ غالباً اس نسخہ سے مرتب کیا گیا ہے جو محمد بن عبدوس جہشیاری نے بہت سے افسانہ گویوں کو جمع کر کے خود ایک جدید کتاب تیار کی تھی جس میں ۴۸۰ راتیں تھیں۔[2]

الف لیلہ کے سوا فارسی کے اور بہت سے ناول اور افسانے عربی زبان میں ترجمہ کیے گئے لیکن افسوس ہے کہ ان کے نام عربی میں آ کر کچھ ایسے بدل گئے ہیں کہ لفظ کی صحت نہیں ہو سکتی۔

ان میں سے ابن الندیم نے جن کتابوں کا ذکر کیا ہے حسب ذیل ہیں:

کتاب بوسفاس، حجۂ خسرو، امرمن جراغر، ذترہتہ، خرس و خرگوش روزبہ سگ زنانہ و شاہ زنان، نمرود نامہ۔[3]

---

[1] کتاب الفہرست صفحہ ۱۱۸ [2] الف لیلہ کے متعلق پوری تفصیل کتاب الفہرست صفحہ ۳۰۴ میں ہے۔ [3] کتاب الفہرست صفحہ ۳۰۵۔

اس سلسلہ کے علاوہ فن انشاء کی اور بہت سی کتابیں ترجمہ ہوئیں۔ ان میں سب سے نادر اور عجیب کتاب یتیمیہ تھی۔ اس کتاب کی خوبی اور عمدگی اس قدر اہم تھی کہ ملاحدہ اس کو قرآن مجید کے مقابلہ میں پیش کرتے تھے (نعوذ باللہ) چنانچہ علامہ باقلانی کو اپنی کتاب اعجاز القرآن میں اس کا جواب دینا پڑا۔ یتیمیہ کے مقابلہ کی دوسری کتاب اردشیر کا عہد نامہ تھی۔ چنانچہ اس کا ترجمہ بھی موجود ہے۔ ابن الندیم نے لکھا ہے کہ جن کتابوں کی خوبی پر تمام زمانہ کا اتفاق ہے وہ حسب ذیل ہیں:

عہد اردشیر، کلیلہ دمنہ، رسالہ عمارۃ بن حمزہ ماہانیۃ، رسالہ حسن لاحمد بن یوسف الکاتب[1]

آداب و اخلاق کی کتابیں بھی کثرت سے ترجمہ کی گئیں۔ ان میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں:

نامۂ فرخ زاد بیٹے کی نصیحت کے لیے لکھی تھی۔

نامہ مہرادوحسین یہ دونوں موبد تھے، اور بزرجمہر وزیر نوشیرواں کے لیے یہ کتاب لکھی گئی۔

یغرودس،

موبد موبدان کی کتاب محاضرات اور اخلاق میں ہے۔

کتاب اردشیر فی التدبیر۔ یہ کتاب اردشیر کے حکم سے تمام حکماء کی کتابوں سے التقاط کر کے لکھی گئی تھی۔

---

[1] فہرست صفحہ ۱۲۶

کتاب[1] بن مردبود، ہرمز بن کسریٰ کے لیے تصنیف کی گئی تھی۔

توقیعات کسریٰ۔ نوشیرواں کے فرامین اور احکام۔

آداب کبیر و آداب صغیر } یہ دونوں کتابیں آداب و اخلاق میں ہیں اور عبداللہ بن مقفع نے ترجمہ کیا ہے۔

فن حرب اور تدابیر جنگ کے متعلق نہایت مفید کتابوں کا ترجمہ کیا گیا۔ چنانچہ بعض کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

کتاب آداب الحروب۔ اس میں نہایت تفصیل سے لشکر آرائی، قلعوں اور شہروں کا محاصرہ، گشت کی فوج، سرحد کی مضبوطی، اسی قسم کے امور کے متعلق ہر قسم کے قاعدے اور تدبیریں درج تھیں۔ یہ کتاب اردشیر کے لیے تیار کی گئی تھی۔

کتاب تعبئۃ الحروب و آداب الاساورۃ } اس میں خاص لشکر آرائی اور سواروں کی قواعد کے طریقے درج تھے۔

کتاب الرمی، تیر اندازی کے فن میں تھی اور بہرام گور کی تالیف تھی۔

چوگان و گوی[2]۔ اس کا مضمون نام سے ظاہر ہے۔

ان فنون کے سوا اور بہت سے مضامین کی کتابیں ترجمہ کی گئیں۔ مثلاً بیطاری، شکار بازی، قیافہ و شگون وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ ان مترجم کتابوں کے نام جا بجا فہرست ابن الندیم میں ملتے ہیں۔

---

[1] ان کتابوں کا ذکر فہرست ابن الندیم صفحہ ۳۱۵ و ۳۱۶ [2] ان کتابوں کے لیے دیکھو ابن الندیم صفحہ

کلدانی، نبطی، سریانی

تمام مورخوں کا بیان ہے کہ دنیا میں سب سے اول تہذیب و تمدن کی ابتدا بابل و نینوا سے ہوئی، اور یہ مقام کسی زمانہ میں جاہ و دولت اور حرفت و صنعت کے مرکز تھے۔ خسوف و کسوف کے دریافت کے قاعدے اول یہیں کے علماء نے معلوم کیے۔ دھوپ گھڑی اوّل یہیں ایجاد ہوئی۔ یہاں کی زبان نے مختلف دوروں میں مختلف نام پائے، یعنی آرامی، پھر کلدانی، پھر سریانی۔ آرامی و کلدانی پرکیانی خط میں لکھی جاتی تھیں۔

مسلمانوں نے قدامت کے لحاظ سے ان زبانوں کی طرف نہایت توجہ کی، اور بڑی مدد اس بات سے ملی کہ مترجموں کے گروہ میں سے اکثر انہی ممالک کے رہنے والے تھے اور سریانی زبان ان کی علمی اور قومی زبان تھی۔ ان زبانوں میں اگرچہ کسی وقت بہت سے علوم و فنون موجود تھے، لیکن مسلمانوں کے دور تک اعلیٰ علوم اکثر مٹ چکے تھے اور صرف نجوم، سحر، خواب کی تعبیر، اور اس قسم کی باتوں پر مدار رہ گیا۔ غرض جو کچھ ذخیرہ مل سکا جمع کیا گیا، اور عربی زبان میں منتقل ہوا۔

بابل میں ستاروں کے نام پر سات بڑے عظیم الشان ہیکل تعمیر کیے گئے تھے جن میں سے بعض کے کھنڈر اب بھی موجود ہیں۔ یہ ہیکل بڑے بڑے علماء کے اہتمام میں تھے اور وہ ان ہیکلوں سے رصد خانہ کا کام لیتے تھے۔ چنانچہ عطارد کا ہیکل ہرمز کے اہتمام میں، مشتری کا قینکلوس کے اہتمام میں، مریخ کا طینقروس کے اہتمام میں تھا۔ ہرقل اور قیطوار بھی انہی علماء میں تھے۔

تینکلوس ایک مشہور عالم یہاں کا تھا، جس کی نسبت علامہ ابن الندیم نے لکھا ہے کہ ضحاک کے وقت میں تھا۔[1]

افسوس ہے کہ انگریزی کتابوں کی رو سے ان کتابوں کی تصحیح نہیں ہو سکتی۔ نوفل آفندی نے اپنی کتاب سیاحتہ المعارف جو یورپین تصنیفات سے ماخوذ ہے، لکھا ہے کہ بابل کے علماء میں سے بیلوس ایک بڑا ہیئت داں تھا، جو حضرت عیسیٰ سے ۲۱۳ برس پہلے تھا۔ ممکن ہے کہ یہ تینکلوس ہو جس کو ابن الندیم نے ضحاک کا معاصر لکھا ہے۔ بہر حال عرب کے مورخوں کی تحریر کے مطابق ان بابل علماء میں سے اکثروں کی تصنیفات بہم پہنچیں اور ان کا ترجمہ کیا گیا۔ تینکلوس کی کتاب عربی میں ترجمہ ہو کر کتاب الاجوہ و الحدود کے نام سے موسوم ہوئی۔

قیطوار کی کتاب کا نام ساعتہ النجوم رکھا گیا۔ ہرمز کی بہت سی کتابوں کا ترجمہ کیا گیا، جن کے نام ابن الندیم نے تفصیل سے لکھے ہیں۔[2] چونکہ وہ صرف جادو اور شعبدہ کیمیا کے متعلق ہیں میں ان کے نام قلم انداز کرتا ہوں۔

بابل کی تاریخیں جو یہیں کی زبان میں لکھی گئی تھیں، ان میں سے اکثر کا ترجمہ ہوا۔ چنانچہ ابن الندیم نے ان کے عربی نام حسب ذیل لکھے ہیں: کتاب ملک بابل۔ کتاب نمرود۔ کتاب الملک الراکب۔ کتاب الشیخ والفتی۔ کتاب اردشیر۔ کتاب لاہج۔ کتاب الحکم التامک۔

انہی کی سات مشہور تصنیفات میں سے چھ سریانی زبان میں تھیں اور ان سب کا

---

[1] فہرست ابن الندیم صفحہ ۲۳۸ [2] کتاب الفہرست صفحہ ۳۱۲ و ۳۵۳۔

ترجمہ ہوا۔ چنانچہ اس کا ذکر زبان فارسی کے ذیل میں اوپر گذر چکا ہے۔

کلدانی زبان کا سب سے بڑا مشہور مترجم احمد بن علی تھا۔ جو ابن وحشیہ کے نام سے مشہور ہے اور جو نسل کے لحاظ سے بھی کلدانی تھا، علم فلاحۃ کے متعلق اس نے بابل کی تصنیفات کا جو مجموعہ مرتب کیا وہ درحقیقت نہایت مفید تصنیف ہے اور آج بھی مصر کے کتب خانہ خدیویہ میں موجود ہے۔ طب، دینیات، سحر، نجوم وغیرہ کے متعلق اس نے کلدانی زبان کا بہت بڑا ذخیرہ عربی زبان میں منتقل کیا، ان میں سے ابن الندیم نے جن کتابوں کے نام لکھے ہیں حسب ذیل ہیں:

کتاب طرد الشیاطین، کتاب السحر الکبیر، کتاب السحر الصغیر، کتاب الدوار علی مذہب النبط، کتاب مذاہب الکلدانیین فی الاصنام، کتاب الاشارۃ فی السحر، کتاب اسرار الکواکب، کتاب حیاطوثی الکلدانی، کتاب الحیوٰۃ والمماۃ فی علاج الامراض لراہطا بن سموطان الکلدانی، کتاب الاصنام، کتاب القرابین کتاب الطبیعۃ، کتاب السماء[1]

عبرانی

یہ زبان سمٹک زبان کی شاخ اور کلدانی کی بہن ہے۔ اس زبان میں اگرچہ فلسفہ و سائنس کا ذخیرہ نہیں تھا، لیکن زبور و انجیل کی اصلی زبان عبرانی ہے اور بہت سے صحف انبیا بھی اسی زبان میں ہیں۔ اس لحاظ سے اس زبان کے ساتھ

---

[1] کتاب الفہرست صفحہ ۲۴۵، ۳۵۷

بھی نہایت اعتنا کیا گیا، غالباً سب سے اوّل جس نے عبرانی کتابوں کا ترجمہ کیا وہ احمد بن عبداللہ بن سلام ہارون الرشید کے دربار کا ملازم تھا۔ اس فاضل نے عہد عتیق اور عہد جدید کی تمام کتابوں کا ترجمہ کیا اور یہ التزام رکھا کہ جہاں تک ممکن ہو ہر لفظ کا ترجمہ کیا جائے۔ چنانچہ دیباچہ میں لکھا ہے کہ میں نے صحف انبیاء توراۃ، انجیل اور کتب انبیاء کا ترجمہ عبرانی یونانی و صیابئی زبان سے کیا، اور ترجمہ میں عبارت کی خوبی اور آرائش سے بالکل قطع نظر کی تاکہ معنی میں کسی قسم کا فرق نہ آنے پائے۔[1]

توریت کا دوسرا ترجمہ حنین بن اسحٰق نے کیا۔ یہ ترجمہ اس یونانی نسخہ سے کیا گیا جو مصر میں بطلیموس اسکندر کے زمانہ میں ۷۲ بڑے بڑے نامور پادریوں نے عبرانی زبان میں کیا تھا اور یہ نسخہ تمام نسخوں سے صحیح تر سمجھا جاتا تھا۔[2]

عہد عتیق اور جدید کے مجموعہ کا جس میں ۲۲ کتابیں شامل ہیں۔ اور لوگوں نے بھی عربی زبان میں ترجمہ کیا، جن میں سے اکثر یہود تھے۔ چنانچہ ان میں سے مفصلہ ذیل علماء کا نام مسعودی نے کتاب التنبیہ والاشراف میں لکھا ہے۔

ابوکثیر یحییٰ بن ذکریا الکاتب الطبرانی ۳۲۰ھ میں وفات پائی۔

سعید بن یعقوب الفیومی الشعشی بہت بڑا فاضل تھا۔ بغداد کے وزراء اور قضاۃ کے دربار میں اکثر حاضر ہوتا تھا اور اسرائیلیوں کے مباحثات میں اس کے فیصلے ہمیشہ تسلیم کیے جاتے تھے۔ ۳۳۱ھ کے بعد وفات پائی۔

---

[1] یہ تمام تفصیل کتاب الفہرست صفحہ ۲۲، ۲۳ میں ہے۔

[2] کتاب التنبیہ والاشراف للمسعودی صفحہ ۱۱۲

داؤد قومسی، بیت المقدس میں رہا کرتا تھا۔ ۳۳۴ھ میں وفات پائی۔

ابراہیم بغدادی[۵]، یہ بھی چوتھی صدی میں تھا۔

قبطی

قبطی زبان سے مصر کی قدیم زبان مراد ہے۔ مصر میں اگرچہ آج کل عموماً عربی زبان شائع ہوتی ہے، لیکن اصل قبطی زبان معدوم نہیں ہوئی اور قبطیوں کی مذہبی کتابیں اب بھی اسی زبان میں لکھی جاتی ہیں۔[۲] البتہ خطوط میں بہت انقلاب ہوئے۔ نہایت ابتدائی زمانہ میں ہیروغلوفی خط جاری تھا جو اہرام وغیرہ پر کندہ ہے۔ اس خط میں حروف نہ تھے، صرف نقوش اور تصویریں تھیں جو بالذات یا بالعرض مطالب پر دلالت کرتی تھیں۔ ۱۰۹۰ سنہ ق م، ابجدی حروف ایجاد ہوئے۔ مذہب عیسوی کا قدم آیا تو یونانی خط جاری ہوا، اور تمام تالیفات و تصنیفات اسی زبان میں ہونے لگیں۔

قدیم زمانہ کی تصنیفات تو اسلام سے پہلے معدوم ہو چکی تھیں۔ لیکن زمانہ مابعد کا بہت بڑا ذخیرہ موجود تھا، جو زیادہ تر بلکہ تقریباً یونانی زبان میں تھا، کیونکہ اسکندریہ میں حضرت عیسیٰ سے ۲۸۸ برس پہلے فلسفہ کا جو مدرسہ قائم ہوا تھا وہ گویا یونان کی شاخ تھا اور اسکندریہ کے بڑے بڑے حکما مثلاً ادسترخس،

---

[۱] ان چاروں کے لیے دیکھو کتاب الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ صفحہ ۱۱۳

[۲] سیاقہ المعارف صفحہ ۹۱

اپرخس، اپلونیوس، فرفوریوس وغیرہ جن کا ذکر اوپر گذرچکا سب دراصل یونانی تھے۔

اس عہد کی اکثر تصنیفات عربی زبان میں ترجمہ ہوئیں، لیکن ان کا ذکر یونان کے تذکرہ میں گذرچکا، یہاں صرف قبطی زبان کے سرمایہ سے بحث ہے، اگرچہ ہم تفصیل سے یہ نہیں بتاسکتے کہ اس زبان کی کیا کیا کتابیں ترجمہ ہوئیں لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اس زبان کے ہر قسم کے سرمائے بہم پہنچانے میں نہایت کوششیں کی گئیں۔ لوگوں کو تعجب ہوگا لیکن مورخ مسعودی نے بڑے وثوق کے ساتھ بیک واسطہ روایت کی ہے کہ حضرت ذوالنون مصری کو مصر کی قدیم عمارتوں کے کتبوں کے دریافت کرنے کا نہایت شوق تھا، اور انھوں نے ہیروغلوفی خط کے نقوش اور تصویروں کو بڑی کوشش سے پڑھا تھا مسعودی کے خاص الفاظ جیسا کہ علامہ مقریزی نے نقل کیے ہیں یہ ہیں[1]:

واخبرنی غیر واحد من بلاد واقیم من صید مصر عن ابی الفیض ذی النون بن ابراھیم مصری الاخمیم الزاھد وکان حکیما وکانت لہ طریقۃ یاتیھا ونحلۃ یعضدھا وکان ممن یقرء علی اخبار ھذہ البرابی[2] وامتحن کثیرا مما صور فیھا ورسم علیھا من الکتاب والصور قال رایت فی بعض البرابی کتابا فتدبرتہ فاذا ھو ورایت فی بعضھا کتابا فتدبرتہ فاذا انہ یقدر المقدار والقضاء یضحک

---

[1] دیکھو مقریزی جلد اول صفحہ ۲۹

[2] برابی بربا کی جمع ہے۔ بربا مصر کے قدیم مقبروں اور اس قسم کی عمارتوں کو کہتے ہیں۔

ابو زید بلخی نے لکھا ہے کہ اہرام پر جو تحریریں ہیں ان میں سے ایک عبارت کا عربی میں ترجمہ کیا گیا تو اس کا یہ مطلب تھا[1] الخ مورخ مقریزی نے اپنی کتاب (جلد اول صفحہ ۱۱۶) میں ایک اور واقعہ نہایت تفصیل سے لکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نہایت قدیم قبطی خط کے پڑھنے والے اسلام کے زمانہ میں موجود تھے اگر یہ روایتیں صحیح ہیں تو ہیروغلوفی خط کے پڑھنے کا فخر یورپ سے چھین کر مسلمانوں کو ملنا چاہئیے۔ ہیروغلوفی کے خط کے متعلق شبہ ہو تو ہو لیکن زمانہ مابعد کی قبطی تصنیفات کا ترجمہ کیا جانا یقینی ہے۔ فرعون کے زمانہ کی مالگذاری اور اس کے مصارف کی تعداد اور تفصیل جو مسلمان مورخوں نے لکھی ہے، وہ درحقیقت ایک قبطی کتاب کا ترجمہ ہے۔ چنانچہ مقریزی نے اس کتاب کے ترجمہ کیے جانے کی تصریح کی ہے[2]

سنسکرت

اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ سنسکرت کے ترجموں کی ابتداء خلیفہ منصور کے عہد سے ہوئی۔ یعنی ہندوستان کا ایک نامور پنڈت منصور کے دربار میں آیا اور کتاب سدھانتا نذر گذرانی جس کا ترجمہ دربار کے ایک عالم محمد بن ابراہیم فزاری نے کیا۔ اسی زمانہ میں یحییٰ نے ایک شخص کو ہندوستان بھیجا کہ وہاں جو دوائیں پیدا ہوتی ہیں، ان کو تلاش کر کے لائے اور نیز

---

[1] مقریزی جلد اول صفحہ ۱۱۵ [2] ایضاً صفحہ ۷۵

ہندوستان والوں کے عقائد اور مذہب وغیرہ کی تفصیل لکھ کر لائے۔ چنانچہ اس رپورٹ کا ایک نسخہ علامہ ابن الندیم نے یعقوب کندی کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا تھا جس کی تاریخ کتابت ۲۴۹ھ تھی۔ علامہ مذکور نے لکھا ہے کہ خاندان برامکہ نے ہندوستان سے بہت سے پنڈت اور ویدک علماء طلب کیے۔ افسوس کہ ان کے نام کی تفصیل صحت کے ساتھ نہیں ملتی۔ جاحظ اپنی کتاب البیان والتبیین میں ایک جگہ ایک ضمنی تذکرہ میں لکھ گیا ہے[۲] کہ معمر کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں یحییٰ بن خالد نے ہندوستان کے حکیموں یعنی منکہ، مارنکر نکرحل، سندبلو وغیرہ وغیرہ کو طلب کیا تھا۔ میں نے بہلہ ہندی سے پوچھا کہ بلاغت کس کو کہتے ہیں الخ" اس عبارت سے پتہ لگتا ہے کہ بہت سے ہندو پنڈت اور طبیب بغداد میں آئے تھے لیکن افسوس ہے کہ ان کی تفصیل نہیں ملتی۔ برامکہ کے سوا ہارون الرشید اور مامون الرشید کی قدردانی نے ہندوستان کے اہل کمال کو بغداد کی طرف متوجہ کیا۔ ہارون الرشید ایک مرتبہ سخت بیمار ہوا، اور پایہ تخت کے اطبا علاج سے عاجز آگئے۔ اس زمانہ میں ہندوستان کے ایک پنڈت کی شہرت دُور دُور پھیلی ہوئی تھی۔ ابو عمرو عجمی کی تحریک سے ہارون الرشید نے اس کو طلب کیا اور اس کے علاج سے خدا نے شفا دی۔ اس فاضل کا نام منکا تھا اور وہ طبابت کے علاوہ علوم عقلیہ کا بڑا ماہر تھا۔ بغداد میں رہ کر اُس نے فارسی سیکھی اور سنسکرت کتابوں کے ترجمے کرائے۔

ہارون الرشید کے دربار کا ایک نامور پنڈت سالی تھا، جس کو حرب کے

---

[۱] کتاب الفہرست صفحہ ۳۴۵ [۲] کتاب مذکور صفحہ ۴۰ مطبوعہ مصر

مصنف عالم لکھتے ہیں، اسی عہد میں ایک اور مشہور فاضل ہندو تھا جس نے سنسکرت کتابوں کے ترجمے کیے۔ اس کے باپ کا نام دھن تھا اور اہل عرب اس کے اصلی نام کے بجائے ہمیشہ ابن دھن کا بیٹا لکھتے ہیں۔ برمکیوں نے بغداد میں جو ہسپتال بنایا تھا یہ اس کا افسر تھا[۲]

معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں سنسکرت اور بھاکھا کی تعلیم اس حد تک وسیع ہو گئی تھی کہ مدت تک ایک گروہ اس قسم کا موجود رہا جو ان زبانوں سے واقفیت رکھتا تھا۔ ہارون الرشید نے ہندوستان میں جو علما مناظرہ کے لیے بھیجے تھے ضرور ہے کہ سنسکرت داں ہوں گے مورخ مسعودی ۳۰۳ھ میں کھنبات آیا تھا اور وہاں کے حالات سے واقفیت پیدا کی تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ "یہاں کا راجہ مذہبی مناظروں کا بہت شائق تھا، اور مسلمان اور دوسرے مذہب کے لوگ جو اس شہر میں آتے ہیں ان سے بحث اور گفتگو کرتا رہتا تھا[۳] یہ ظاہر ہے کہ مناظرہ بھاشا زبان میں ہوتا ہوگا، اور سنسکرت تصنیفات سے واقفیت کے بغیر مناظرہ کی بنیاد قائم نہیں ہوسکتی۔

اس گروہ میں سب سے بڑا ماہر ابوریحان بیرونی تھا، جس کا مختصر حال ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ اس کی سنسکرت دانی اس مرتبہ کی تھی کہ اس نے بعض عربی تصنیفات کو ہندوؤں کے لیے سنسکرت میں ترجمہ کیا۔ سنسکرت علوم و فنون کے متعلق جو کتاب اس نے لکھی ہے اور جس کو جرمنی کے مشہور پروفیسر زخاؤ نے اپنی تصحیح سے چھپوایا ہے ہمارے سامنے ہے۔ یہ کتاب در حقیقت سنسکرت علوم و فنون کا نہایت

---

[۱] اس کا مفصل حال تذکرہ طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۳۲ میں ہے [۲] کتاب الفہرست صفحہ ۲۴۵ [۳] مسعودی مطبوعہ یورپ جلد اول صفحہ ۲۵۴

عمدہ خلاصہ ہے۔ مصنف نے سنسکرت کی بہت سی مستند اور قدیم تصنیفات سے ذخیرہ معلومات مہیا کیا ہے۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ چونکہ ہندو اپنی کتابوں کے دینے میں بخل کرتے تھے۔ اس لیے مصنف نے بہت سی کتابوں کو زبانی پڑھا اور یاد کیا اس نے خود لکھا ہے[1] کہ مختلف پرانوں میں سے جو پران میں نے زبانی سیکھے وہ حسب ذیل ہیں:

ادھ پران، مچھ پران، کورم پران، براہ پران، نرسنگھ پران، بایو پران، باسن پران، نند پران، اسکند پران، ادت پران، سوم پران، سانپ پران، برہماند پران، مارکنڈیو پران، تارکش پران، بشن پران، برہم پران، بیش پران۔

بیرونی کی کتاب کی جامعیت و وسعت معلومات کا اندازہ ان ابواب کے عنوان سے ہو سکتا ہے جو مصنف نے اختیار کیے ہیں۔ یہ کل اسی عنوان ہیں۔ اور ہر عنوان پر تفصیلی بحث کی ہے اور جو کچھ لکھا ہے سنسکرت کی مستند کتابوں سے لکھا ہے۔ ان میں بعض عنوان ہم نمونہ کے طور پر نقل کرتے ہیں:

(۱) ہندوؤں کا اعتقاد خدا کی نسبت

(۲) موجودات عقلیہ اور حسیہ کی نسبت اعتقاد

(۳) تناسخ کا مسئلہ

(۴) بید اور پران اور دیگر مذہبی کتابیں

(۵) نحو اور عروض کی تصنیفات

(۶) دیگر علوم کے متعلق تصنیفات

(۷) ہیئت اور نجوم اس کے متعلق بہت سے عنوان قائم کیے ہیں اور ہر ایک پر

---

[1] کتاب الہند صفحہ ۶۳

مفصل بحث کی ہے (۸) ، حرام و حلال (۹) ، قانون وراثت ۔

اس نامور مصنف نے علاوہ اس کتاب کے سنسکرت کی متعدد کتابیں عربی میں ترجمہ کیں یا سنسکرت کی کتابوں سے اخذ کر کے لکھیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

سامیکا[۱] پاتنجلی[۲] پلس سدھانتا[۳] براہم سدھانتا[۴]

برہ تسا یتنا[۵] لاجو[۶] مصنفہ براہمر

سدھانتا[۷] پر ایک کتاب جس کا نام جوامع الموجود لخواطر الہنود ہے۔ یہ کتاب ۵۰۰ صفحہ میں ہے۔ کھنڈ کھنڈ[۸] کا ، اس کتاب کا ترجمہ پہلے عربی میں ہوا تھا، جس کو عربی کتابوں میں ارکند لکھتے ہیں۔ کسوف[۹] پر ایک رسالہ۔

ایک رسالہ[۱۰] حساب پر جس میں بتایا ہے کہ سندھ اور ہندوستان میں صفروں کے شمار کا قاعدہ بنا ہے۔

ایک رسالہ[۱۱] جس میں بیان کیا ہے کہ اعداد کے مدارج عربی میں باعتبار ہندی کے زیادہ صحیح طریقہ پر مقرر کیے گئے ہیں ۱۵ صفحوں میں ہے۔

لاسیدکا[۱۲] یعنی اربعہ تناسب پر ایک مضمون ۱۵ صفحوں میں ہے۔

اعداد[۱۳] کی ترتیب کے متعلق ایک رسالہ

برہما سدھانتا[۱۴] میں حساب کا جو طریقہ ہے اس کا ترجمہ۔ ۴ صفحوں میں ہے۔

موجودہ[۱۵] زمانہ کا تعین باعتبار ہندی تاریخ و سنہ کے ۱۰۰ صفحوں میں ہے۔

ایک رسالہ[۱۶] میں یہ تعین بتایا ہے کہ کون کون ثوابت صرف منازل قمر کے متعلق ہیں

اُن سوالات[۱۷] کے جوابات جو ہندو ہیئت دانوں نے اس سے پوچھے تھے۔ ۱۲۰ صفحوں میں ہے۔

اُن سوالوں[۱۸] کے جوابات جو کشمیر سے اس کے پاس آئے۔

طول عمر کے شمار کا ہندی طریقہ[19]

لاگھو جتنبیا کم[20] مصنفہ وراہ مہر کا ترجمہ جو ایک چھوٹی سی کتاب ولادت کے متعلق ہے یا میان کی دو بتوں کی کہانی۔

نیلوفر کا قصہ[21] جس میں دلیپئی اور پربھا کا بیان ہے۔

کلپیہ بارہ[22] کا ترجمہ جو ایک رسالہ ہے متعلق عوارض مکروہ کے۔

واسودیو کے دوبارہ[23] ظہور پر ایک مضمون۔

ایک کتاب[24] کا ترجمہ جو تمام محسوسات اور مدرکات پر مشتمل ہے۔

مساوات کی تصنیفات[25] کی وجہ کے متعلق ایک رسالہ موافق رائے برہما سدھانتا[ل]

کے اخیر میں اکبر شاہ کی بدولت سنسکرت کی تصنیفات نے زیادہ تر مسلمانوں میں رواج پایا۔ اکبر کا ہندوؤں کی طرف جو میلان تھا وہ عام طور سے مشہور ہے۔ اس نے اپنے دربار میں بڑے بڑے قابل اور نامور پنڈتوں کو جمع کیا تھا۔ ابوالفضل نے آئین اکبری میں جہاں دانش وران دولت کی فہرست دی ہے۔ ہندو علما میں سے حسب ذیل نام شمار کیے ہیں:

مہادیو بھیم ناتھ، نارائن داس نرائن، رسیوجی، مادھو رام بھدر، ہری بھٹ، مادھو سرستی، جدروپ، لشن ناتھ، مدھوسودن، رام کشن نالین، سرم بھدر مصر برجی سورما سدیو مصر، دامودر بھٹ، یامن بھٹ، رام تیرتھ، بدھ نواس، نرسنگھ، گوری ناتھ، پرام اندر

[ل] بیرونی کی کتاب الآثار الباقیہ جو یورپ میں چھاپی گئی ہے اس کے اخیر میں خود بیرونی کی لکھی ہوئی ایک فہرست شامل ہے جس میں اس نے اپنی تمام تصنیفات کی تفصیل لکھی ہے۔ کتاب الہند میں بھی جابجا اپنی تصنیفات اور ترجموں کا ذکر کیا ہے۔ میں نے اس مقام پر جن ترجموں کی فہرست دی ہے انہی دونوں کتابوں سے ماخوذ ہے۔

گوپی ناتھ، بیچے سین سور، کشن پنڈت نہال چند، بھٹاچاریہ، کاشی ناتھ۔

اکبر نے اپنے اہتمام سے بہت سی کتابوں کے ترجمے کرائے، دیوی برہمن اور عبدالقادر بدایونی و شیخ سلطان تھانیسری و نقیب خاں کی شرکت سے مہابھارت کا فارسی میں ترجمہ ہُوا۔ اکبر نے اس ترجمہ کا نام رزم نامہ رکھا اور تمام معرکوں کی تصویریں بنوائی گئیں۔ اتھروان وید جو چوتھا وید ہے۔ اس کا ترجمہ حاجی ابراہیم سرہندی نے کیا ہے اور اس ترجمہ کا قلمی نسخہ ہمارے کالج کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ لیلاوتی جو فن حساب کی مشہور کتاب ہے اس کا ترجمہ فیضی نے کیا۔ تاجک جو علم نجوم میں ایک معتبر تصنیف ہے۔ مکمل خاں گجراتی نے اس کو فارسی قالب پہنایا۔ کنھیا جی کے حالات میں ہربنس کی ایک کتاب ہے مولانا شیری نے اس کا ترجمہ کیا۔ نل اور دمن کا قصہ ہے جو ایک پُر درد ناول ہے فیضی نے اس کو مثنوی کا لباس پہنایا[۱]۔

اکبر نے سنسکرت کے سرمایہ میں بھی اضافہ کیا یعنی عربی اور فارسی کی کتابیں سنسکرت میں ترجمہ کرائیں۔ چنانچہ زیچ مرزائی کا ترجمہ سنسکرت میں کیا گیا، جس کے ترجمے میں فتح اللہ شیرازی، ابوالفضل، کشن جوتشی، گنگادھر، مہیش، مہانند یہ سب فضلا شریک تھے۔

ہر قسم کے علوم کے متعلق سنسکرت کی تصنیفات جو فارسی اور عربی میں ترجمہ ہوئیں۔ ان کا اگر استقصا کیا جائے تو ایک مستقل رسالہ لکھنا پڑے گا۔ اور شاید میں اس محنت کو گوارا کرتا لیکن بڑی دقت یہ ہے کہ عربی اب دلہجہ نے ناموں میں اس قدر تغیر پیدا کر دیا ہے کہ اکثر کتابوں اور مصنفوں کے صحیح نام دریافت نہیں

---

[۱] ابوالفضل نے ان تمام واقعات کو آئین اکبری میں آئین تصویر خانہ کے ذیل میں لکھا ہے۔

ہو سکتے، علامہ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء میں لکھا ہے کہ کنکنہ ہندوستان کا سب سے نامور طبیب و حکیم تھا اور اس کی حسب ذیل تصنیفات ہیں (جو عربی میں ترجمہ کی گئیں) النمودار فی الاعمار، اسرار الموالید، القرانات الصغیر، کناش، کتاب فی التواہم، کتاب فی احداث العالم والدور فی القرآن، کنکنہ کی جن کتابوں کا نام ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے، بے شبہ عربی میں موجود ہیں۔ لیکن ہم کو خود کنکنہ کا پتہ نہیں چلتا کہ اس کا اصلی نام سنسکرت تلفظ میں کیا ہے۔

علامہ مذکور نے ہندوستان کے اور حکماء کے نام لکھے ہیں، یعنی باکھر، راجہ سکھ، صاہر زنگل، جبیر، اندی جاری۔ اور لکھا ہے کہ ان حکماء کی اکثر تصنیفات عربی میں ترجمہ کی گئیں، لیکن ہم ان ناموں کی صحت نہیں کر سکتے۔

طبی تصنیفات میں صحیح تلفظ کے ساتھ ہم کو صرف دو تصنیفوں کا پتہ لگتا ہے ایک چرکا کی کتاب جو آج سے پانچ ہزار برس پہلے نہایت مشہور طبیب تھا اور جسکو ہندو بہت بڑا رشی مانتے تھے۔ کتاب پہلے فارسی میں ترجمہ کی گئی۔ دوسری سشرت کی کتاب جو دس بابوں میں ہے۔ اس کا ترجمہ یحییٰ بن خالد کے حکم سے کیا گیا۔

ناموں کی صحت سے مایوس ہو کر ہم ایک اجمالی نقشہ مورخین عرب کی تصریحات کے موافق اس موقع پر درج کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ ہر علم و فن کے متعلق سنسکرت کی کون کون سی تصنیفات عربی میں ترجمہ کی گئیں[1]۔ ان میں بیرونی وغیرہ کے ترجمے داخل نہیں جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔

---

[1] یہ فہرست یا نقشہ کتب ذیل سے ماخوذ ہے طبقات الاطبا جلد دوم صفحہ ۳۲، ۳۳ کتاب الفہرست صفحہ ۳۰۳، ۳۴۵، ۲۷۱ و تاریخ یعقوبی جلد اول صفحہ ۱۰۵

نام کتاب	کیفیت
بدائی	اس میں چار سو بیماریوں کا بیان ہے۔
سُشُرت (شذہشتان)	ابن دھن نے اس کا ترجمہ کیا۔
فیما اختلف فیہ الہند والروم	یونانی اور ہندوستانی طب میں جو اختلافات ہیں ان کا بیان ہے
تفسیر اسماء العقاقیر	دواؤں کا نام اس کا ترجمہ منکہ نے اسحٰق بن سلیمان کے لیے کیا تھا۔
رائی کی کتاب	سانپوں کے اقسام اور اُن کے زہر کا بیان ہے۔
استانکر کی کتاب	ابن دھن نے اس کا ترجمہ کیا
حاملہ عورتوں کا علاج	
توقشل کی کتاب	اس میں سو بیماریوں اور سو علاجوں کا بیان ہے۔
روسا کی کتاب	عورتوں کے علاج ہیں
کتاب السکر	
کتاب التوہم فی الامراض	تاکشتل کی تصنیف ہے۔
کتاب السموم	شاناق کی تصنیف ہے اور زہروں کا بیان ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ اول فارسی میں ابوحاتم بلخی نے منکہ کی مدد سے کیا پھر مامون کے حکم سے عباس بن سعید نے کیا۔
کتاب البیطرۃ	جانوروں کا علاج
کتاب فی النجوم	شاناق ہندی کی تصنیف ہے۔
کتاب الموالید	جودر کی تصنیف ہے۔

نام کتاب	کیفیت
فوفا	منطق میں ہے
مالتفاوت فیہ فلاسفتہ الہند	یونانی اور ہندوستانی فلسفہ کے اختلافات
دالروم	
سندباد	سندباد کا قصہ جو دراصل سنسکرت سے ماخوذ ہے۔
بوداسپ ربلوہر	

ان کتابوں کے علاوہ ابن الندیم نے اور بہت سی کتابوں کے نام لکھے ہیں مثلاً کتاب علم، کتاب الہند والعین، کتاب دیک الہندی، کتاب سادبرم، کتاب ملک الہند کتاب الایت، کتاب بیدباد وغیرہ وغیرہ لیکن مبہم اور غیر صحیح التلفظ نام لکھتے لکھتے میں عاجز آگیا ہوں۔

منجملہ ان افسوسناک غلطیوں کے جو یورپ میں اسلامی تاریخ کے متعلق کسی زمانہ میں پیدا ہوگئی تھیں اور اب تک قائم ہیں۔ ایک واقعہ یہ بھی ہے۔

اگرچہ ایک زمانہ دراز سے یورپ کو مسلمانوں کے حالات سے واقف ہونے کے ذریعے حاصل ہیں، لیکن موجودہ علم تاریخ کی ابتدا جس دور سے شروع ہوتی ہے وہ کروسیڈ یعنی صلیبی لڑائیاں، اس زمانہ میں یورپ نے مسلمانوں کو جس حیثیت سے جانا اور پہچانا وہ صرف یہ حیثیت تھی کہ مسلمان جنگجو ہیں، غارت گر ہیں، وحشی ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مقدس صلیب اور عیسائیوں کے قبلہ (بیت المقدس) کے دشمن ہیں۔

یہی زمانہ یورپ کے عہد ظلمت سے نکلنے کا بھی زمانہ ہے۔ کیونکہ جیسا کہ اکثر مورخوں نے تصریح کی ہے۔ یورپ کی علمی اور تمدنی ترقی کی ابتدا اسی زمانہ سے ہوئی۔

اس زمانہ میں یورپ میں مسلمانوں کے متعلق عجیب عجیب روایتیں پیدا ہو گئیں اور واقعات موجودہ کے لحاظ سے ایسا ہونا ضرور تھا۔ اس زمانہ میں مسلمانوں کے مذہب، قومیت، معاشرت، تمدن کے متعلق یورپ میں جو غلط اور بے سروپا روایتیں پیدا ہوئیں وہ رفتہ رفتہ اس قدر شہرت پکڑ گئیں کہ ضرب المثل کے طور پر عام و خاص کی زبانوں پر جاری ہو گئیں اور جب تصنیف و تالیف کا زمانہ شروع ہوا تو تاریخوں، حکایتوں، ناولوں بلکہ فلسفہ کی کتابوں میں کثرت سے اُن کا استعمال ہونے لگا۔ بیکن جو یورپ میں فلسفہ حال کا بانی خیال کیا جاتا ہے اس نے مضامین کا ایک مجموعہ لکھا ہے جس کا نام (BEACONS ESSAYS) ہے۔ وہ ایک مضمون میں جرأت اور دلیری کی مثال میں لکھتا ہے کہ:

("محمدؐ ایک دن لوگوں کو اپنی نبوت کا یقین دلا رہے تھے۔ چنانچہ حاضرین سے کہا کہ اس پہاڑ کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ تجھ کو محمدؐ نے طلب کیا ہے۔ لوگ گئے اور یہ پیغام سنایا۔ پہاڑ اپنی جگہ سے کیونکہ حرکت کر سکتا تھا۔ محمدؐ نے یہ دیکھ کر بجائے اس کے کہ شرمندہ ہوتے نہایت اطمینان اور جرأت سے کہا کچھ پروا نہیں، اگر پہاڑ محمدؐ کے پاس نہیں آتا تو محمدؐ خود پہاڑ کے پاس جا سکتا ہے۔")

بیکن کوئی مورخ نہ تھا اور نہ اپنے خیال میں یہ واقعہ اُس نے آنحضرت صلعم کی تحقیر کی غرض سے لکھا ہے بلکہ جرأت اور حوصلہ مندی کی تعریف کرتے کرتے یہ مثال پیش کی ہے۔ لیکن چونکہ اس زمانہ میں اس قسم کی روایتیں یورپ کی آب و ہوا میں سرایت کر گئی تھیں اس لیے عام و خاص سب بے تکلف اصول موضوع کے طور پر اُن کو استعمال کرتے تھے اور صحیح سمجھتے تھے۔

سو ڈیڑھ سو برس سے یورپ زیادہ تحقیقات کی طرف مائل ہوا ہے اور اس قسم کی

روایتوں کی غلطی روز بروز کھلتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ یورپ کے نامور مورخ ان روایتوں کی نسبت تسلیم کرتے جاتے ہیں کہ وہ یورپ کے لیے باعث شرم ہیں مسٹر کارلائل اپنی کتاب لکچراِن دی ہیروز میں لکھتے ہیں کہ "جو جو جھوٹ باتیں دُوراندیشی اور مذہبی سرگرمی رکھنے والے آدمیوں نے اس انسان (یعنی محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی نسبت قائم کی تھیں اب وہ الزام قطعاً ہماری روسیاہی کے باعث ہیں"۔ کارلائل صاحب نے یہ لکچر چونکہ خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نسبت لکھا ہے۔ "اس لیے رسول اللہ صلعم کی تخصیص کی ورنہ یورپ میں اس قسم کی جھوٹ باتیں عام طور پر اسلام اور تاریخ اسلام کے متعلق موجود تھیں۔ موجودہ تحقیقات نے اگرچہ ان غلطیوں کو کم کر دیا ہے لیکن مٹا نہیں دیا کیونکہ جو واقعات اس وسعت سے تمام قوم میں پھیل گئے تھے اُن کی تحقیق پر مائل ہونا صرف اُن لوگوں کا کام ہے جن کے دلوں کو عام اجتماع اور جمہوریت کا بوجھ دبا نہیں سکتا۔ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ (پ ۲۳- رکوع ۲)

اس کے علاوہ ایک خاص سبب یہ ہے کہ ہر قوم میں محققین کا دائرہ جمہور سے الگ ہوتا ہے اور اگرچہ اعتبار کے قابل صرف وہ واقعات ہوتے ہیں جن کو محققین نے غور و تحقیق کے بعد تسلیم کیا ہو لیکن اُن کی تحقیقات ایک خاص دائرہ تک محدود رہتی ہے۔ عام لوگوں اور عام تصنیفات میں اُن کو رواج نہیں ہوتا۔ یورپ میں جو نامور محقق ہیں اکثر ان بیہودہ روایتوں کو غلط تسلیم کرتے جاتے ہیں جو اسلامی واقعات کے متعلق وہاں پیدا ہوگئی تھیں، چنانچہ گبن کارلائل، گاڈفری، ہگنز، باسورتھ، رینان، سیدیو وغیرہ نے عموماً ان واقعات سے صاف انکار کیا ہے۔ لیکن عام تصنیفات اور عام روایتوں میں ان غلطیوں کا زور اب بھی کم نہیں ہوا۔

اسی قسم کے واقعات میں اسکندریہ کے کتب خانے کے جلائے جانے کا واقعہ بھی ہے، اس واقعہ کو یورپ نے جس بلند آہنگی سے مشہور کیا ہے حقیقت میں وہ نہایت تعجب انگیز ہے۔ تاریخیں، ناولیں، حکایتیں، مثلیں، افسانے، قصہ طلب ہولے روزمرہ کے محاورے ایک چیز بھی اس صدا سے خالی نہیں، ادب اور لٹریچر کا تو کیا ذکر ہے منطق و فلسفہ بھی اس سے محروم نہ رہے۔ ایک مثال[1] کلکتہ یونیورسٹی کے سوالات امتحان (ایف اے) پرچہ علم منطق میں یہ سوال تھا کہ ذیل کے مغالطہ کو حل کرو۔ "یعنی کتابیں اگر قرآن کے موافق ہیں تو اُن کی کوئی ضرورت نہیں اور مخالف ہیں تو ان کو برباد کر دینا چاہیے۔"

یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ یورپ کو کتب خانۂ اسکندریہ کے ساتھ اس قدر ہمدردی کیوں ہے؟ یہ مسلّم ہے کہ جس کتب خانہ کی نسبت بحث ہے عیسائیوں کو اس سے کچھ واسطہ نہیں اسکو بادشاہانِ مصر نے قائم کیا تھا جو بت پرست تھے اور حضرت عیسیٰ سے بہت پہلے تھے۔ شاید یہ کہا جائے کہ یورپ کی عام قدردانی اور ہمدردی کا اثر ہے لیکن اس حالت میں اسکندریہ کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ انہی ممالک میں اور بھی بہت بڑے بڑے کتبخانے برباد ہوئے اُن پر یورپ میں یہ شور و غل کہاں ہوا؟ اسکندر یہ نے ایران کے کتب خانے برباد کیے اُنکی تشہیر کس نے کی؟ اسپین میں خود عیسائیوں نے مسلمانوں کی تمام علمی یادگاروں کو مٹا دیا اور کئی لاکھ کتابیں برباد کر دیں۔ کس نے اس کا ماتم کیا۔ پھر کتب خانہ اسکندریہ کے ساتھ یہ خاص ہمدردی کیوں ہے؟

حقیقت یہ ہے (جیسا کہ ہم آگے چل کر ثابت کریںگے) کہ اس کتب خانہ کو خود عیسائیوں نے برباد کیا تھا اور بڑے بڑے پیشوایان مذہب اس کی بربادی میں شریک تھے۔ اس وقت تو یہ امر فخر کا باعث تھا لیکن جب کسی قدر تہذیب و شائستگی کا زمانہ آیا تو یورپ نے دیکھا کہ اسکے دامن پر یہ بہت بڑا بدنما داغ ہے اسکے مٹانے کی اسکے سوائے اور کوئی تدبیر نہ تھی

---

[1] یعنی ۱۸۸۲ء

کہ یہ الزام کسی دوسری قوم کے سر منڈھا جائے۔ مسلمانوں نے جب مصر و اسکندریہ فتح کیا تو کتب خانہ مذکور کا وہاں نام و نشان نہ تھا متعصب عیسائیوں نے اس گمشدگی کو فاتحانِ اسلام کی طرف منسوب کر دیا اور چونکہ اس زمانہ میں تمام یورپ تعصب سے لبریز تھا اور کسی قسم کی علمی ترقی کا اثر نہ تھا۔ اس لیے کسی نے غور و تحقیق کی پروانہ کی اور نہایت تیزی سے یہ روایت تمام یورپ میں پھیل گئی۔ یورپ نے اس ہمدردی سے اس واقعہ کا ماتم کیا کہ گویا وہ انہی کا خاص کتب خانہ تھا۔ چنانچہ عوام کا آج تک یہی خیال ہے۔ اس عام شہرت نے یہ بڑا فائدہ کر دیا کہ عیسائیوں کی طرف اس الزام کے منسوب کرنے کا کسی کو خیال بھی نہ آیا کیونکہ ظاہراً یہ ایک بدیہی بات ہے کہ کوئی قوم اپنا سرمایہ آپ نہیں برباد کر سکتی۔

اب اس فرضی واقعہ کو جس کی صدا سے تمام یورپ گونج رہا تھا تحقیق کرو کہ اسکی اصل کیا ہے، افسوس کچھ بھی نہیں۔ لیکن یہاں ایک سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ ایک فرضی واقعہ کا اتنی مدت تک تمام ممالک یورپ میں اس طرح مشہور و مسلّم رہنا کیونکر ممکن ہے؟ یہ سوال بظاہر مشکل ہے لیکن اس کا جواب بہت آسان ہے۔ یورپ کے عہدِ ظلمت تک تو اس شہرت پر کچھ تعجب نہیں۔ اس وقت ایسی اور بھی سینکڑوں بیہودہ روایتیں شائع تھیں اور وہ عموماً تسلیم کی جاتی تھیں۔ جیسا کہ ہم اس مضمون کے شروع میں لکھ آئے ہیں تہذیب و ترقی کے زمانہ سے اس پر بحثیں شروع ہوئیں اور بڑے بڑے نامور مصنفین نے اس کی صحت سے انکار کیا۔ البتہ یہ تعجب ہے کہ اب بھی کچھ لوگ اسکی صحت کے قائل ہیں۔ حالانکہ اس کے بطلان کا قطعی فیصلہ ہو جانا چاہیئے تھا۔

لیکن اس کی دو وجہیں ہیں اوّل تو یہ کہ تہذیب و ترقی کے زمانہ میں بھی جاہلیت کے آثار بالکل فنا نہیں ہو جاتے اور نہ ایسا ہونا ممکن ہے۔ دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ تاریخی

واقعات کے متعلق یورپ کا جو طرزِ بحث ہے وہ (اکثر) کسی پہلو کا قطعی فیصلہ نہیں ہونے دیتا۔ اصل روایت کو چھوڑ کر درایات و قیاسات پر بحثیں شروع ہو جاتی ہیں اور بہت سی فروعی باتیں بحث طلب قرار پا جاتی ہیں۔ رفتہ رفتہ ایک بڑا سلسلہ تیار ہو جاتا ہے اور اصل بحث غیر منفصل رہ جاتی ہے۔ اس مسئلہ میں بھی ایسا ہی ہوا چنانچہ اسکی تفصیل آگے آتی ہے۔

یورپ میں ایک مدت سے یہ مسئلہ زیر بحث ہے اور اکثر مصنفوں نے اس کے متعلق مستقل مضامین لکھے مسلمانوں کے متعلق جو عام تاریخیں لکھی گئی ہیں ان میں بھی اکثر اس کا ذکر آجاتا ہے اور مصنفین اس روایت کی نقل کرنے کے بعد اپنی خاص رائے (موافق یا مخالف) بیان کرتے ہیں۔ اس قسم کی جس قدر تحریریں ہماری نظر سے گزریں اجمالاً ان کا ذکر کرنا مناسب ہو گا۔ کیونکہ ہمارے مضمون میں اکثر جا بجا ان کے حوالے آئیں گے۔ اسی لحاظ سے ہم ان کتابوں کے مقامات بقید صفحات و ایڈیشن لکھتے ہیں:

سب سے پہلے مسٹر گبن نے جو ۱۷۹۴ء میں فوت ہوا اس واقعہ سے انکار کیا اور اپنی تاریخ رومی امپائر حصہ مسلمانان فتح اسکندریہ کے بیان میں اس کے متعلق مختصر مگر محققانہ ریمارک کیا۔ پروفیسر وائٹ نے اس کے ثبوت میں ایک مستقل آرٹیکل لکھا۔

Aegyptiuca ar Obseration on Centain anti quities of Egypt by J. White. D.D. Professor Arbic in the University of Oxford 1801.

Successors of Mohomad by Washington Irnung P113 Printed by Bill sons London. واشنگٹن ارونگ

The Saracens Second Edition Pages 254 Story

آرتھر گلمین ایم اے
of nation service Edited 1889
History of the conflict between Religion and Science 20th Edition London 1887 Page 103, 107 by Draper. L.L.D. Professor New York College, America.

اسپکٹیٹر جو لندن کا مشہور اخبار ہے اس میں متعدد میل جنٹے اس کے متعلق شائع ہوئے جن میں سے بعض موافق تھے اور بعض مخالف۔

(دیکھو اسپکٹیٹر پرچہائے ۲ر جون ۱۸۸۸ء اور ۲۳ر جون ۱۸۸۸ء برٹش انسائیکلوپیڈیا ذکر اسکندریہ)

میسو سیدیو نے جو فرانس کا مشہور عالم ہے اور جس نے اسلام کی نہایت جامع اور مفید تاریخ لکھی ہے اس پر مورخانہ نکتہ چینی کی ہے۔

پروفیسر ڈیلیاسی فرانس کے مشہور عربی داں نے اس واقعہ کے متعلق مفصل بحث لکھی۔ دیکھو پروفیسر ڈساسی (DESACY) کا ترجمہ و نوٹ کتاب عبداللطیف بغدادی مطبوعہ پیرس ۱۸۱۰ء صفحہ ۲۴۰۔

سب سے زیادہ جامع اور مفصل وہ آرٹیکل ہے جو مسٹر کریل جرمنی نے اورنٹیل کانفرنس میں پیش کیا۔ یورپ میں دس پندرہ برس سے ایک کانگریس قائم ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ ایشیا کی تاریخ کے متعلق نادر اور مفید تحقیقات بہم پہنچائے۔ اس کانگریس کا چوتھا اجلاس

ستمبر ۱۸۷۸ء میں بمقام فلارنس منعقد ہوا تھا۔ اس کے ایک اجلاس میں مسٹر کریل نے جو جرمنی کے مشہور عربی داں عالم ہیں اس بحث پر جرمن زبان میں ایک رسالہ پیش کیا جو کانگریس کی رپورٹ کے ساتھ شائع ہوا ہے چنانچہ اس رسالہ کا ترجمہ بعینہٖ اس مضمون کے اخیر میں ضمیمہ کے طور پر شامل ہے۔

اس مقام پر مجھ کو یہ بھی ظاہر کر دینا ضرور ہے کہ مسٹر کریل کے مضمون کا ترجمہ میری درخواست کے موافق میرے معزز دوست نہیں بلکہ میرے مخدوم شمس العلماء مولانا سید علی بلگرامی جیالوجسٹ بی، اے، بی، ایل انسپکٹر جنرل حیدرآباد دکن نے کیا ہے، جو واقفیت السنہ مختلف کے لحاظ سے ہمارے زمانے کے نادر الوقت ہیں۔ فرنچ تصنیفات کے متعلق مجھ کو مجبوراً لکھنا پڑتا ہے کہ میں نے ٹوٹی پھوٹی فرنچ سیکھ لی ہے۔ اور اس لیے ان سے متمتع ہونا میرے لیے چنداں دشوار نہ تھا۔

اس روایت کے متعلق سب سے مقدم اور ضروری بحث یہ ہے کہ اس کا اصلی مخرج یورپین تاریخیں ہیں یا عربی تاریخیں؟ یہ سوال اگرچہ نہایت ضروری سوال ہے لیکن بحث طلب نہیں کیونکہ مخالف و موافق دونوں نے اس سوال کا یکساں جواب دیا ہے۔ یورپ کے عام مورخین موافق ہوں یا مخالف اس سے انکار نہیں کرتے کہ ان کے پاس اس روایت کا کوئی مخرج نہیں ہے اور وہ اس مرحلہ میں صرف عربی تاریخوں کے دست نگر ہیں۔ لیکن اس بات کے ثابت کرنے سے پہلے ہم بتانا چاہتے ہیں کہ یورپ میں یہ قصہ کیونکر مشہور ہوا اور کس ذریعہ سے؟

سب سے پہلے جس نے یورپ میں اس واقعہ کو مشہور کیا وہ ابوالفرج ہے۔ اس کی مختصر سی لائف یہ ہے کہ وہ ایک یہودی طبیب ہارون نامی کا بیٹا تھا اور شہر ملیطی میں ۱۲۲۶ء میں پیدا ہوا۔ چونکہ اس کا باپ ترک مذہب کر کے عیسائی ہو چکا تھا اس لیے ابوالفرج نے

شروع ہی سے عیسائی مذہب کی تعلیم پائی۔ اس نے اپنے مذہبی علوم کے علاوہ عربی و سریانی زبان میں نہایت کمال پیدا کیا اور اپنی لیاقت کی وجہ سے اکیس ہی سال میں گوبا کا بشپ مقرر ہوا، رفتہ رفتہ مافریان کے درجہ تک ترقی کی جس کے بعد صرف بطریق یعنی پٹریارک کا نمبر باقی رہ جاتا ہے۔ ابوالفرج نے سریانی زبان میں ایک نہایت بسیط تاریخ لکھی جس کا ماخذ سریانی، عربی، فارسی اور یونانی کتابیں تھیں۔ اس بڑی کتاب کا اس نے عربی زبان میں ایک خلاصہ لکھا جس کا نام مختصر الدول ہے اور جس کو ڈاکٹر پوکاک پروفیسر آکسفورڈ کالج نے ۱۶۶۲ء میں لاطینی ترجمہ کے ساتھ چھاپا۔ اس خلاصہ کے مختلف نسخے ہیں اور سب نامکمل ہیں۔ اور بعض واقعات اصلی سریانی کتاب سے زائد ہیں۔ یہ امر مشتبہ ہے کہ یہ زائد واقعات خود ابوالفرج نے بڑھائے یا کسی اور نے الحاق کیے۔

یہی خلاصہ ہے جس میں سب سے اول اسکندریہ کے کتب خانہ جلائے جانے کے واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے اور اسی کے لاطینی ترجمہ کے ذریعہ سے تمام یورپ میں یہ روایت پہنچی مسٹر گبن اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ "جب سے ابوالفرج کی تاریخ لاطینی میں ترجمہ ہو کر دنیا میں شائع ہوئی یہ قصہ بار بار منقول ہوا ہے۔ واشنگٹن ارونگ، آرتھر گلمین ایم اے، مسٹر کرچین اور بہت سے یورپین مصنفین نے صاف تصریح کی ہے کہ یورپ میں یہ روایت ابوالفرج کے ذریعہ سے پہنچی۔ یہ زمانہ یورپ کے نہایت تعصب اور جہالت کا زمانہ تھا اور اسی لیے وہاں مسلمانوں کے متعلق تمام اس قسم کی روایتیں صحیح ہوں یا غلط فوراً قبول کر لی جاتی تھیں جن سے مسلمانوں کی نسبت نفرت انگیز خیالات پیدا ہوں۔ غرض یورپ کے ہر حصہ میں یہ واقعہ مشہور ہو گیا اور نہایت تیزی سے وہ یورپین لٹریچر کا عنصر بن گیا۔ اس واقعہ کو جس عبارت میں ابوالفرج نے لکھا ہے[1] اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

---

[1] دیکھو تاریخ مختصر الدول مصنفہ ابوالفرج مطبوعہ لندن ۱۶۶۳ء ص ۱۸۰ و ۱۸۷

اور اس زمانہ میں عربوں میں یحییٰ نحوی جو ہماری زبان میں غراطیقوس کے لقب سے مشہور ہے، وہ اسکندریہ کا رہنے والا تھا اور یعقوبی عیسائیوں کا عقیدہ رکھتا تھا اور ساوری کے عقیدہ کی تائید کرتا تھا۔ پھر عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث سے منکر ہوا اس پر مصر میں تمام پادری جمع ہوئے اور اس سے درخواست کی کہ اس عقیدہ سے باز آئے اُس نے نہ مانا اس پر پادریوں نے اس کا رتبہ گھٹا دیا۔ وہ بہت دنوں تک زندہ رہا۔ یہاں تک کہ عمرو بن العاص نے اسکندریہ کو فتح کیا۔ وہ عمرو کے پاس حاضر ہوا۔ عمرو اسکی لیاقت سے واقف ہو چکا تھا اس لیے اس نے اس کی بہت عزت کی اور اس سے وہ فلسفیانہ بحثیں سنیں جس سے اہل عرب کبھی آشنا نہ تھے۔ عمرو کے دل پر ان بحثوں نے بہت اثر کیا اور وہ اس پر فریفتہ ہو گیا۔ عمرو عاقل، خوش فہم، صحیح الفکر شخص تھا۔ اسی لیے اس نے یحییٰ کی صحبت کو لازم پکڑ لیا اور اس کو اپنے پاس سے جدا نہ کرتا تھا۔

ایک دن یحییٰ نے عمرو سے کہا کہ اسکندریہ کی تمام قسم کی چیزوں پر آپ قابض ہیں۔ جو جو چیزیں کہ آپکے کام کی ہیں میں ان سے تعرض کرنا نہیں چاہتا لیکن جو چیزیں آپکے کام کی نہیں اس کے تو ہمیں لوگ زیادہ مستحق ہیں۔ عمرو نے کہا تم کو کیا درکار ہے؟ یحییٰ نے کہا فلسفہ کی وہ کتابیں جو شاہی کتب خانوں میں ہیں۔ عمرو نے کہا، اس امر کی نسبت میں امیرالمومنین عمرؓ ابن الخطاب کی اجازت کے بغیر کوئی حکم نہیں دے سکتا۔ عمرو نے یحییٰ کی درخواست کی اطلاع امیرالمومنین عمرؓ ابن الخطاب کو دی، وہاں سے جواب آیا کہ جن کتابوں کا تم نے ذکر کیا ہے اگر وہ خدا کی کتاب کے موافق ہیں تو خدا کی کتاب کے ہوتے ہوئے اُنکی کوئی ضرورت نہیں اور اگر انکے مضامین خدا کی کتاب کے مخالف ہیں تو تم ان کو برباد کر دو۔ عمرو بن العاص نے ان کتابوں کو اسکندریہ کے حماموں میں تقسیم کرنا اور اُن کو جلوانا شروع کیا پس وہ چھ مہینے کی مدت میں جل کر تمام ہو جائیں۔ سو چو

جو کچھ ہوا اسکو سنو اور تعجب کرو۔"

یہ واقعہ اسی طرح برابر تسلیم ہوتا آتا تھا اور کسی کو اسکی نسبت تحقیق و تفتیش کا خیال تک نہ آیا۔ سب سے پہلے مشہور مورخ گبن نے جو تاریخ کے طرز کا خاص بانی ہے اس واقعہ کو تحقیق کی نگاہ سے دیکھا اور لکھا کہ "میں اس واقعہ کی اصلیت اور اس کے نتائج دونوں کے انکار کی طرف مائل ہوں۔ دگبن نے اپنے انکار کی مختلف وجہیں قائم کیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ ابوالفرج واقعہ مبحوث فیہ کے پانسو برس بعد پیدا ہوا، اور اس کے سوا اور کسی مورخ حتیٰ کہ خود عیسائی مورخوں نے اس واقعہ کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ اس لیے ابوالفرج کی شہادت کیونکر معتبر ہوسکتی ہے" گبن کے اس انکار کے بعد یورپ خواب غفلت سے چونکا اور متعدد علماء اس کی تحقیق میں مصروف ہوئے۔ اگرچہ گبن کے اس واقعہ کے متعلق دو فریق موافق و مخالف قائم ہو گئے۔ لیکن چونکہ اس قدر عموماً مسلّم تھا کہ پہلی صدی ہجری میں اسلام کے متعلق یورپ میں کوئی تصنیف نہیں لکھی گئی، اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلعم اور خلفائے راشدین کے حالات میں آج تک یورپ میں جس قدر تاریخیں لکھی گئیں یا لکھی جارہی ہیں عموماً اسلامی تصنیفات سے ماخوذ ہیں۔ اس لیے خود اس فریق کو بھی جو اس واقعہ کو صحیح ثابت کرنا چاہتا ہے عربی تاریخوں ہی کی طرف رجوع کرنا پڑا۔

مسٹر کرجیبی جنھوں نے گبن کے انکار پر نہایت غصہ ظاہر کیا اپنی کتاب تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں: "اگر یہ واقعہ صرف اس اجنبی شخص (ابوالفرج) کے بیان پر جس نے چھ سو برس کے بعد اس واقعہ کو تحریر کیا یعنی ہوتا تو ہم کو آرمینیا کے مورخ (ابوالفرج) کے بیان کے تسلیم کرنے میں تامل ہوتا، لیکن یہ واقعہ صرف اس کی سند پر مبنی نہیں ہے، بلکہ برخلاف اسکے مقریزی اور عبداللطیف نے جنھوں نے مصر کی تاریخ قدیم پر تصنیفات لکھی ہیں اس واقعہ کو بیان کیا ہے

مسٹر کریل نے نہایت انصاف کے ساتھ علانیہ اس کا اعتراف کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ "جہاں تک مجھے یاد ہے یہ واقعہ پہلے پہل عبد اللطیف کی تاریخ میں جو اس واقعہ کے پانسو برس بعد ہوا مذکور ہے۔"

اس امر کے طے ہو جانے کے بعد کہ اس واقعہ کا ماخذ جو کچھ ہے صرف عربی تاریخیں ہیں، ہم کو اس بحث کا فیصلہ کرنا نہایت آسان ہے۔ کیونکہ عرب کی تصنیفات سے واقف ہو جانے کا استحقاق یورپ کی بہ نسبت ہم کو زیادہ ہے و صاحب البیت ادری بما فیہا گھر کا حال گھر کا آدمی خوب جانتا ہے۔"

یورپین مصنفین جنہوں نے اس واقعہ کو ثابت کرنا چاہا ہے۔ سند میں عبد اللطیف بغدادی مقریزی، حاجی خلیفہ کا نام لیا ہے اور کہا ہے کہ "یہ مورخین نہایت معتبر ہیں اور ان کی شہادت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔" میں نے جہاں تک دیکھا اور پڑھا یورپ نے ہمیشہ انہی مورخین کا نام لیا ہے۔ ایک ناواقف انگریز نے ابن خلدون کا بھی حوالہ دیا ہے اور جھوٹ سے شرم نہ کر کے لکھا ہے کہ "ابن خلدون نے حضرت عمرؓ کے حالات میں یہ روایت بیان کی ہے لیکن ابن خلدون کی تاریخ ایک عام اور مشہور کتاب ہے۔ حضرت عمرؓ کی تمام تاریخ میں اس واقعہ کے متعلق ایک حروف بھی مذکور نہیں۔ غرض ابن خلدون کے علیحدہ کرنے کے بعد صرف تین مذکورہ بالا مصنفین پر اس روایت کا مدار رہ جاتا ہے۔ اب ہم مورخانہ اصول سے اس روایت کی تحقیق پر متوجہ ہوتے ہیں جس کے ذیل میں ہم یہ بھی دکھائیں گے کہ یورپین مورخین نے ان مصنفوں سے استناد کرنے میں کس قدر تدلیس اور فریب سے کام لیا ہے۔

واقعات تاریخی کے ثابت کرنے کے دو طریقے ہیں، روایت[1]، درایت[2]۔

روایت سے یہ مطلب ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے اس کی سند اس شخص تک پہنچائی جائے جو خود اس واقعہ میں موجود رہا ہو۔ عرب کی تمام مستند تاریخیں اسی اصول

پر لکھی گئی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان میں اخبرنا و حدثنا کے ذریعہ سے سند کا تمام سلسلہ مذکور کیا جاتا ہے۔ ان تمام راویوں کا نام لیا جاتا ہے جن کے ذریعہ سے واقعہ کی سند اس شخص تک پہنچی ہے جو خود اس واقعہ میں شریک تھا۔ چوتھی صدی تک اسلامی تاریخوں کا یہی طرز رہا، اور گو زمانہ بعد میں اس کا رواج کم ہو چلا لیکن گذشتہ تین صدیوں کے واقعات میں اب تک اس کا لحاظ ہے یعنی اس زمانہ کے انہی واقعات کا اعتبار کیا جاتا ہے جو سلسلہ سند کے ساتھ ثابت ہوں۔

درایت سے یہ غرض ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے اس پر اس لحاظ سے غور کیا جائے کہ وہ طبیعت انسانی کے اقتضا، زمانہ کی خصوصیتوں، منسوب الیہ کے حالات اور اس قسم کے اور قرائن کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے یا نہیں، اگر وہ واقعہ اس معیار پر پورا نہیں اترتا تو اسکی صحت مشتبہ ہو گی یعنی احتمال ہو گا کہ روایت کے تغیرات نے واقعہ کی صورت بدل دی ہے۔

اس واقعہ کی تحقیق میں بھی ہم کو انہی دو اصول سے کام لینا چاہئے۔

چونکہ اس بحث میں مقدمہ کے دو فریقوں میں سے ایک نافی اور دوسرا مثبت ہے۔ اور چونکہ اس قسم کے مقدمات میں بار ثبوت ہمیشہ اُس فریق پر ہوتا ہے جو ثبوت کا مدعی ہے اس لیے اول ہم کو ان شہادتوں پر غور کرنا چاہیئے جو واقعہ کے اثبات میں پیش کی جاتی ہیں ہم کو جہاں تک معلوم ہے اور ہم دعوے کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ کوئی شخص اس بحث میں اس سے زیادہ ثابت نہیں کر سکتا۔ یورپ کے تمام مصنفین جو اس دعوے کو ثابت کرنا چاہتے ہیں اُن کی دلیل روایت کی حیثیت سے صرف اس قدر ہے کہ اس واقعہ کو عبداللطیف بغدادی مقریزی حاجی خلیفہ نے بیان کیا ہے۔ اب امور تنقیح طلب یہ ہیں کہ ان مصنفوں نے اس واقعہ کے متعلق ایسا کوئی بیان کیا ہے جو شہادت میں پیش ہو سکتا ہے؟ اور کیا اس واقعہ کے متعلق اُنکی شہادت کافی ہے؟

یورپ کے مورخین جو اس واقعہ کے مدعی ہیں فریب آمیز طور پر بار بار عبداللطیف مقریزی، حاجی خلیفہ کا نام لیا ہے اور جن کو انکار ہے وہ ان کے مصنفوں کی شہادت کو قابل اعتبار نہیں سمجھتے اور اس طریق بحث نے اُن یورپین مورخوں کی فریب آمیزی پر پردہ ڈال رکھا ہے کیونکہ بحث اس پر محدود ہو گئی کہ عبداللطیف وغیرہ قابل سند ہیں یا نہیں حالانکہ پہلے یہ تحقیق ضروری تھی کہ عبداللطیف وغیرہ نے کوئی شہادت بھی دی ہے یا نہیں؟

پہلی ضروری بحث یہ ہے کہ کیا ان تینوں مصنفوں کا بیان (جن کا بار بار نام لیا جاتا ہے) تین جداگانہ شہادتیں ہیں؟ مقریزی کی تاریخ مطبوعہ مصر ہمارے پیش نظر ہے۔ اس کے جلد اول صفحہ ۱۵۱ میں عمود السواری کے بیان میں جو اسکندریہ کا ایک مشہور منارہ ہے عمود السواری کے لفظ سے عنوان قائم کیا ہے اور حرف بحرف وہ عبارت نقل کر دی ہے جو اس مینار کے ذکر میں عبداللطیف نے لکھی تھی عبداللطیف کی تحریر میں محض ضمنی طور پر اسکندریہ کے کتب خانہ کا ذکر آ گیا تھا۔ چونکہ مقریزی نے حرف بحرف عبداللطیف کی عبارت کی نقل کی ہے اس لیے کتب خانہ کے متعلق جو عبارت ہے وہ بھی اسی طرح منقول ہو گئی ہے اسی بناء پر موسیو لانگل نے جو فرانس کا مشہور عالم ہے مجبوراً تسلیم کیا ہے کہ مقریزی کا بیان کوئی مستقل شہادت نہیں بلکہ صرف عبداللطیف کے فقرے کی نقل ہے[۱]۔ موسیو لانگل کتب خانہ اسکندریہ کی بحث میں ہمارے مخالف ہیں لیکن اُن کو مجبوراً یہ تسلیم کرنا پڑا ہے۔ جن یورپین مورخوں نے مقریزی کی اصل کتاب نہیں دیکھی وہ ایمان بالغیب کے طور پر بار بار مقریزی کا نام لیتے ہیں لیکن موسیو لانگل ایسا نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ اس نے مقریزی کی کتاب کو خود پڑھا تھا مقریزی نے اسی کتاب میں اسکندریہ کی فتح کا حال نہایت تفصیل سے لکھا ہے لیکن

---

[۱] دیکھو پروفیسر ڈساسی کا نوٹ ترجمہ تاریخ عبداللطیف بغدادی صفحہ ۲۴۰ مطبوعہ پیرس ۱۸۱۰ء

کتب خانہ کے متعلق ایک حرف بھی نہیں لکھا جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ واقعہ مذکورہ کو تاریخی واقعات کی فہرست میں شمار نہیں کرتا۔ مقریزی کے خارج ہونے کے بعد دو نام رہ جاتے ہیں۔ عبد اللطیف و حاجی خلیفہ۔

حاجی خلیفہ کا ذکر اگرچہ اکثر یورپین مورخوں نے کیا ہے لیکن اُسکی خاص عبارت کا حوالہ نہیں دیا۔ کیونکہ اگر وہ ایسا کرتے تو ان کا دعویٰ غالباً کمزور ہو جاتا ہم پروفیسر ڈسایسی کے (جو ایک مشہور فرنچ مصنف ہیں اور جو بڑے زور شور سے اس واقعہ کو ثابت کرنا چاہتے ہیں) ممنون ہیں جنھوں نے اس راز کو ظاہر کر دیا ہے اور حاجی خلیفہ کی عبارت نقل کر دی ہے۔ جس کے اصلی الفاظ یہ ہے؛

وَكَانَتِ الْعَرَبُ فِيْ صَدْرِ الْإِسْلَامِ لَا تَعْتَنِيْ بِشَيْءٍ مِنَ الْعُلُوْمِ اِلَّا بِلُغَتِهَا وَمَعْرِفَةِ اَحْكَامِ شَرِيْعَتِهَا وَصِنَاعَةِ الطِّبِّ فَاِنَّمَا كَانَتْ مَوْجُوْدَةً عِنْدَ اَفْرَادٍ مِنْهُمْ لِحَاجَةِ النَّاسِ طُرًّا اِلَيْهَا وَذٰلِكَ مِنْهُمْ صَوْنًا بِقَوَاعِدِ الْاِسْلَامِ وَعَقَائِدِ اَهْلِهٖ عَنْ تَطَرُّقِ الْخَلَلِ مِنْ عُلُوْمِ الْاَوَائِلِ قَبْلَ الرُّسُوْخِ وَالْاِحْكَامِ حَتّٰى يُرْوٰى اَنَّهُمْ اَحْرَقُوْا مَا وَجَدُوْا مِنَ الْكُتُبِ فِيْ فُتُوْحَاتِ الْبِلَادِ

اہل عرب شروع اسلام میں تمام علوم میں سے بجز لغت و احکام شریعت و طب کے کسی علم کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے۔ صرف یہ علوم بوجہ عام حاجت کے بعض لوگوں کے پاس موجود تھے اور اس کا یہ سبب تھا کہ چونکہ اسلام کے قواعد اور لوگوں کے عقائد مضبوط اور راسخ نہیں ہو چکے تھے اس لیے ڈر تھا کہ قدما کے علوم سے ان میں خالی نہ پیدا ہو، یہاں تک کہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان لوگوں نے شہروں کے فتوحات میں جو کتابیں پائیں وہ جلا دیں۔

اس عبارت میں اسکندریہ کا تو ذکر تک نہیں عام طور پر کتابوں کے جلانے کا ذکر کیا ہے

اور وہ بھی یرودی کے لفظ سے جو ظاہر کرتا ہے کہ وہ ایک عامیانہ روایت ہے۔ اس عبارت کے طرز اور انتظام سے ہرگز نہیں پایا جاتا کہ مصنف اس واقعہ کو مسلّمہ قرار دیتا ہے۔ حاجی خلیفہ شروع زمانہ اسلام کی عدم اعتنا کا ذکر بیان کرتا ہے اور اس کے ذیل میں ایک عامیانہ روایت کا اسی عامیانہ حیثیت سے ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ جس طرح کوئی کہے کہ نپولین نے مصر میں اسلامی یا فسری کا دعویٰ کرنا چاہا اور اس کے لیے بڑے بڑے جال پھیلائے یہاں تک کہ کہتے ہیں کہ "اس نے جامع ازہر میں کلمۂ توحید پڑھا اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھی"۔ یہ طرز بیان کا ایک عام طریقہ ہے کہ ایسے موقع پر ایک مقرر یا مضمون نگار ضعیف سے ضعیف روایت کا بھی ذکر کر جاتا ہے۔ غرض خاص کتب خانۂ اسکندریہ کے جلائے جانے کا دعویٰ حاجی خلیفہ کی طرف منسوب کرنا ایسی تعجب انگیز جہالت ہے جو یورپین مورخوں کے سوا کسی سے نہیں ہو سکتی۔

اب صرف عبداللطیف بغدادی کی شہادت باقی رہ گئی اور درحقیقت یورپین مورخوں کا اخیر سہارا یہی عبداللطیف ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ عبداللطیف نے مصر کی ایک تاریخ لکھی ہے جس کا نام کتاب الافادة والامور المشاهدة والحوادث المعاینة بارض مصر ہے۔ یہ کتاب اس نے ۱۰ شعبان سنہ ۶۰۳ھ میں تمام کی اور اس کا موضوع صرف وہ حالات و واقعات ہیں جو عبداللطیف نے خود مصر میں مشاہدہ کیے۔ اس میں ایک موقع پر عمود السواری کے الفاظ سے ایک عنوان قائم کیا ہے اسکے تمام حالات بیان کیے ہیں اور لکھا ہے کہ اس ستون کے گرد چار سو اور چھوٹے چھوٹے ستون تھے۔ یہ حالات لکھتے لکھتے اخیر میں ضمناً یہ عبارت لکھی ہے:

ویذکر[1] ان هذا العمود من جملة اعمدة کانت تحمل رواق ارسطو	اور کہا جاتا ہے کہ یہ ستون منجملہ ان ستونوں کے ہے جس پر وہ چھت قائم تھی جو ارسطو کا رواق تھا۔

[1] ایک نسخہ میں جو مصر میں چھپا ہے اور نہایت غلط چھپا ہے ینکر کرری کا لفظ ہے۔ اگر یہی نسخہ صحیح مان لیا جائے تو بھی یہ عبداللطیف کی ذاتی رائے مسلم ہوگی۔

طالیس الذی کان یدرس بہ الحکمۃ وانہ کان دار علم دینۃ خزانۃ کتب حر تہا عمرؓ بن العاص باشارۃ عمر بن الخطابؓ	اور جہاں ارسطو حکمت کا درس دیا کرتا تھا اور اس میں وہ کتب خانہ تھا جس کو عمرو بن العاصؓ نے عمرؓ بن الخطاب کے اشارہ سے جلا دیا۔

اس عبارت سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ عبد اللطیف نے اس واقعہ کا کس حیثیت سے ذکر کیا ہے عبد اللطیف کا یہ تمام قول یُذکر کے تحت میں ہے جس سے کسی طرح یہ ظاہر نہیں ہو سکتا کہ وہ اس موقع کو مؤرخانہ حیثیت سے لکھتا ہے یا اسکو تسلیم کرتا ہے۔ مسٹر کریل جرمن اپنے مضمون میں عبد اللطیف کا قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ یہ بیان محض علی السبیل التذکرہ معلوم ہوتا ہے اور اس سے خاص کوئی غرض نہیں معلوم ہوتی۔ یہ کسی خاص اصل واقعہ کا یاد دلانا نہیں ہے بلکہ محض ایک مشہور بات کا اعادہ کر دیتا ہے جسکو اس زمانہ کے سیاحوں نے بارہا کہا ہے اور یہ من قبیل اُسی قسم کی غیر معتبر اور خلاف عقل بیانات کے ہے جو زمانہ وسطی کے سیاحوں میں بیت المقدس کے مقام کے بارے میں مشہور ہے۔

ایک مزے کی بات یہ ہے کہ عبد اللطیف نے چونکہ بازاری گپوں کا ذکر کیا اس سے اس جملہ میں جتنے واقعات بیان کیے اتفاق سے سب غلط تھے۔ نہ یہ مقام ارسطو کا رواق تھا اور نہ ارسطو نے کبھی وہاں درس دیا۔ ایک مضمون نگار نے جس نے اسپکٹیٹر مورخہ ۱۳ ار جون میں اس مضمون پر ایک بحث لکھی ہے۔ عبد اللطیف کے بیان کی غلطی پر عجیب لطف سے استدلال کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ کتب خانہ کا تو جلایا جانا تو ایک طرف عبد اللطیف نے اسکے ساتھ اور جو واقعات بیان کیے وہ کون سے سچ ہیں؟

یہ ہے حقیقت ان سندوں اور روایتوں کی جن پر یورپین مورخوں نے جھاڈنی

چھار دکھی ہے۔ ان مصنفوں میں اس بحث میں جس قسم کی تدلیس سے کام لیا ہے حقیقت میں وہ نہایت تعجب انگیز ہے۔ عبداللطیف وغیرہ کی جو اصل عبارتیں ہم نے نقل کی ہیں ان سے ناظرین کو معلوم ہو سکتا ہے کہ مقریزی نے خود اس واقعہ کو بیان نہیں کیا بلکہ عمود السواری کے ذکر میں عبداللطیف کی عبارت نقل کر دی ہے جس میں ضمناً کتب خانہ کا بھی ذکر تھا۔ حاجی خلیفہ نے اسکندریہ کا نام تک نہیں لیا۔ البتہ عام طور پر کتب خانوں کا ذکر کیا ہے اور وہ بھی یذکر کے تحت میں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کوئی مصدقہ روایت نہیں لیکن یورپین مورخوں نے عبداللطیف وغیرہ کا نام ہمیشہ اس حیثیت سے لیا گیا گویا انھوں نے اس واقعہ کی صحت کا دعویٰ کیا ہے اور اس پر کوئی مضمون لکھا ہے۔

پروفیسر ڈساسی نے اپنے ایک نوٹ میں لکھا ہے کہ "جو اعتراضات ابوالفرج کے بیان پر کیے جاتے ہیں ان میں یہ نہایت قوی اعتراض خیال کیا جاتا ہے کہ عرب کے مورخ ایک ایسے عظیم واقعہ کے متعلق خاموش ہیں۔ اس کے بعد پروفیسر ڈساسی اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ "لیکن ان اعتراض کا زور یقیناً عبداللطیف اور مقریزی کی شہادت کے بعد گھٹ جاتا ہے"۔ لطف یہ ہے کہ اسی عبارت کے بعد پروفیسر موصوف لکھتے ہیں کہ "اگرچہ لوگوں کو یہ کہنے کا موقع حاصل ہے کہ مقریزی کا قول صرف عبداللطیف کے فقرہ کی نقل ہے"۔

مسٹر کرہین لکھتے ہیں کہ "یہ واقعہ صرف سند مذکورہ بالا (یعنی ابوالفرج کا بیان) پر مبنی نہیں ہے، بلکہ برخلاف اس کے مقریزی اور عبداللطیف نے جنھوں نے قدیم تاریخ مصر پر تصنیفات لکھیں اس واقعہ کا بیان کیا ہے"۔

پروفیسر وائٹ نہایت بلند آہنگی سے فرماتے ہیں کہ "ہم گبن کی منصفانہ دلیل کے

مقابل میں دو عربی مورخوں کی اثباتی شہادت پیش کرنے کی جرأت کریں گے، جو ایسے مستند مصنف ہیں کہ ان کے مستند ہونے کی نسبت کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا اور دونوں مذہب اسلام کے نہایت متعصب پیرو ہیں۔ اس سے عبداللطیف و مقریزی کو مراد لینا ہوا، جو اس واقعہ یعنی کتب خانہ کے جلانے کے ذکر ہی میں ہم زبان نہیں ہیں، بلکہ ٹھیک اس مقام کا نشان دیتے ہیں، جہاں کتب خانہ مذکور قائم تھا۔

پروفیسر وائٹ نے اس موقع پر کس چالاکی سے کام لیا ہے۔ عبداللطیف نے ایک ستون کے ذکر میں ضمناً افواہی طور پر اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ پروفیسر وائٹ اس کو اس قالب میں ڈھالتے ہیں جس سے ایک ناواقف شخص کو یہ گمان ہوگا کہ عبداللطیف نے مستقل طور پر اس واقعہ کو ثابت کرنا چاہا ہے اور صرف اصل واقعہ کو ثابت نہیں کیا بلکہ واقعہ کا موقعہ بھی متعین کر دیا۔

اگرچہ یورپ کے اکثر مورخین نے جو اس واقعہ کو ثابت کرنا چاہتے ہیں صرف انہی تینوں یعنی عبداللطیف، مقریزی، حاجی خلیفہ پر استشناء کا مدار رکھا ہے اور ہم نے اس موقع پر انہی مصنفوں سے بحث کی لیکن بعض یورپین مصنفوں نے تدلیس (مخفی فریب) کے میدان میں اوروں سے بڑھ کر قدم رکھا ہے اور فریب آمیز طور پر ظاہر کیا ہے کہ اس واقعہ کی تائید کے لیے اور بھی متعدد شہادتیں موجود ہیں۔ مسٹر کرجٹن صاحب اپنی کتاب کے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ بیرن ڈساسی نے اپنے ایک لمبے نوٹ میں جو اس نے عبداللطیف کے ترجمہ پر لکھا ہے (مصر کا بیان صفحہ ۲۴۰) عربی مصنفوں کی کتابوں سے مختلف شہادتیں جمع کی ہیں جو پیرس کے شاہی کتب خانہ میں موجود ہیں اور ان شہادتوں سے ابوالفرج کا بیان قابل اعتبار ثابت ہوتا ہے لیکن مغرورگبن نے ان تصنیفات کو نہیں دیکھا تھا۔

اس عبارت سے ایک ناواقف اور خصوصاً وہ جس کو یورپین مصنفوں کے ساتھ عام خوش اعتقادی ہو بالکل دھوکے میں آجائے گا اور یقین کرے گا کہ پیرس کے عظیم الشان کتب خانہ میں ضرور اس واقعہ کے متعلق بہت کچھ مادہ موجود ہوگا۔ ورنہ تمام یورپ میں ایسا غلط واقعہ کیونکر مشہور ہو سکتا تھا۔

لیکن ہمارے ناظرین کو پیرس کے پُر شوکت نام سے مرعوب نہ ہونا چاہیئے ڈسایسی کا نوٹ اور وہ کتابیں جن کا اُنھوں نے حوالہ دیا ہے ہمارے سامنے ہیں بے شبہ ڈسایسی نے اس واقعہ کو بڑے زور شور سے ثابت کرنا چاہا ہے لیکن افسوس ہے کہ جو زور اُنکی طبیعت میں ہے وہ دلائل میں نہیں۔ ہم اس موقع پر اُنکی پوری تحریر کا لفظی ترجمہ نقل کرتے ہیں۔

ابوالفرج نے اپنی تاریخ خاندان عرب میں عمرؓ کے حکم سے کتب خانہ اسکندریہ کی بربادی کی نسبت جو واقعہ بیان کیا ہے اس میں متعدد مشہور مصنفوں سے شک کیا ہے۔ جو کچھ اس واقعہ پر لکھا گیا ہے اس کے بیان کرتے اور اس کی حیثیت کے اندازہ کرنے میں ایک بڑی بحث ضرور ہونی چاہیئے۔

وہ دلیلیں جن کی بنا پر تشکوک کیے گئے ہیں اس جرمن مباحثہ میں مل سکتی ہیں جس کو (Meh Rain hars) نے سنہ ۱۷۹۲ء میں بمقام (GOTTINGNE) میں چھاپا تھا اور اُن ریمارکوں میں جو اسکندریہ کے قدیم کتب خانوں کے متعلق ہیں جنکو کہ (M.D.E. SAINEGROIX) نے میگزین انسائیکلوپیڈیا سال پنجم صفحہ ۴۲۳ میں درج کیا ہے موسیو لانگل (M. Longel) اور وائٹ (White) عام خیال کی حمایت کرتے ہیں۔ لیکن ابوالفرج کے مبالغہ آمیز بیان کو قبول نہیں کرتے۔

ابوالفرج کے بیان پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں، اُن میں یہ اعتراض قوی خیال کیا گیا ہے

کہ عرب کے مؤرخ ایک ایسے عظیم واقعہ کے متعلق خاموش ہیں لیکن اس اعتراض کا زور یقیناً عبداللطیف اور مقریزی کی شہادت کے بعد گھٹ جاتا ہے۔ اگرچہ لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ظاہرا مقریزی کا وہ فقرہ جیسا کہ موسیو لانگل نے نشان دیا ہے صرف عبداللطیف کے فقرہ کی نقل ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ ان ژیمارکوں سے جن کو میں بیان کرونگا ایک ایسے عالم مصنف (موسیو لانگل مراد ہے) کے ساتھ میدان مبارزت میں آؤں جس کی میں تہ دل سے نہایت عزت اور محبت رکھتا ہوں لیکن میں نے چند اور نئی خاص سندیں پیدا کی ہیں اور میں یقین کرتا ہوں کہ یہ واقعہ جس طرح کہ ابوالفرج نے بیان کیا ہے۔ گو اس میں ایسی تفصیلیں ہیں جو نکتہ چینی کی برداشت نہیں کر سکتیں تاہم یہ سچ ہے کہ وہ ایک تاریخی سچائی پر مبنی ہے اور یہ کہ عربوں نے جب یہ شہر فتح کیا تھا تو عمرو بن العاص نے عمرؓ کے فرمان کے مطابق یہ حکم دیا تھا کہ ایک مجموعہ جس میں بہت سی کتابیں تھیں اور جو اسکندریہ میں تھا آگ پر رکھ دیا جائے۔

اس کے بعد پروفیسر ڈساسی نے حاجی خلیفہ اور مقدمہ ابن خلدون کی عبارت نقل کی ہے اور اس سے کتب خانہ اسکندریہ کے واقعہ پر استدلال کیا ہے۔

پروفیسر ڈساسی نے جو نئی خاص سندیں پیدا کیں ان کے دیکھنے کا ہم کو نہایت شوق تھا مگر افسوس کہ وہ کچھ نہ نکلیں۔ پروفیسر موصوف نے پیرس کے اتنے بڑے عظیم الشان کتب خانہ کو چھان کر صرف دو سندیں مہیا کیں۔ ایک تو وہی حاجی خلیفہ کی عبارت جس کو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں۔ دوسری مقدمہ ابن خلدون کا ایک فقرہ جس میں ایک موقع پر ضمناً اور اجمالاً ایران کے کتب خانہ کا ذکر آ گیا ہے، یہ بھی عجیب منطق ہے کہ اسکندریہ کے کتب خانہ کے جلائے جانے کا دعویٰ کیا جائے اور دلیل میں ایران کا نام لیا جائے۔ اگرچہ ابن خلدون کا یہ قول بالکل غلط اور تمام صحیح اور مستند تاریخوں کے خلاف ہے لیکن ہم اس مقام پر اس سے

بحث نہیں کرتے، کیونکہ ہمارا مضمون اسکندریہ کے کتب خانہ پر ہے نہ کہ ایران پر۔

شاید یہ کہا جائے کہ پروفیسر ڈسایسی نے ابن خلدون کے قول کو تائیدی شہادت میں پیش کیا ہے، لیکن اس سے یہ مقصد بھی حاصل نہیں ہوتا کیونکہ اس سے اگر کوئی نتیجہ نکلتا ہے تو یہ نکلتا ہے کہ اسکندریہ کا واقعہ بالکل بے اصل ہے، ورنہ جس طرح ایران کا واقعہ ابن خلدون نے بیان کیا تھا کہ کوئی نہ کوئی عربی مؤرخ اسکندریہ کے واقعہ کا بھی اسی حیثیت سے ذکر کرتا۔ حالانکہ عربی کی سینکڑوں ہزاروں تاریخوں میں سے ایک میں بھی اس کا پتہ نہیں چلتا۔

عبداللطیف و مقریزی کی اصل عبارت جو ہم نے نقل کی وہ تو کسی طرح شہادت میں پیش نہیں کی جا سکتی۔ لطف یہ ہے کہ خود ابوالفرج جو اس بحث میں ہمارا مدعا علیہ ہے اس نے بھی اس واقعہ کو اس حیثیت سے نہیں لکھا جس سے ثابت ہو کہ وہ یقیناً اسکو تسلیم کرتا تھا اور صحیح سمجھتا تھا۔ ابوالفرج کی اصلی تاریخ جو سریانی زبان میں ہے اور جس میں فتح اسکندریہ کا تفصیلاً مذکور ہے اس میں اس واقعہ کا ذکر تک نہیں، البتہ اس تاریخ کا خلاصہ جو عربی زبان میں کیا ہے اس میں یہ واقعہ جیسا کہ ہم اوپر نقل کر آئے ہیں مذکور ہے لیکن اس خلاصہ کی نسبت کافی اطمینان نہیں ہے کہ جو بیانات اس میں اصل سریانی تاریخ پر اضافہ کیے گئے ہیں وہ درحقیقت ابوالفرج ہی کے ہیں یا کسی اور نے الحاق کر دیا ہے۔ مسٹر گبن جو بھی اس خلاصہ کی نسبت لکھتے ہیں کہ اس میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو اصل سریانی میں نہیں اور یہ امر کہ آیا یہ مقامات زمانہ مابعد کے الحاق ہیں یا خود ابوالفرج نے اُن کو بڑھایا ہے، بخوبی معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اس خلاصہ کے کل نسخے ناکامل ہیں۔ یہ واقعہ کتب خانہ اسکندریہ کے جلائے جانے کا جو عربی میں موجود ہے اصل سریانی میں نہیں پایا جاتا۔ اس عبارت کے الحاق

ہونے کا گمان اس سے زیادہ قوی ہو جاتا ہے کہ اس عربی خلاصہ کو پروفیسر لوکاک نے اپنے اہتمام و تصحیح سے چھپوایا ہے اور ان کو مسلمانوں کے خلاف واقعات گھڑ لینے میں نہایت کمال حاصل تھا۔

یہ تمام بحث تو اس لحاظ سے تھی کہ عبداللطیف و حاجی خلیفہ نے اس واقعہ کے متعلق کوئی شہادت دی بھی ہے یا نہیں لیکن بطریق تنزل اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ درحقیقت ان مصنفوں نے اس کو صحیح تسلیم کیا ہے تو دوسری بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ اس امر کے متعلق ان مصنفوں کی شہادت قابل اعتبار ہے یا نہیں، عبداللطیف بغدادی ۵۵۷ھ میں پیدا ہوا، اور حاجی خلیفہ کو تو دو سو برس سے زیادہ نہیں گزرے۔ کون شخص کہہ سکتا ہے کہ ایک ایسے واقعہ کے متعلق جو پہلی صدی ہجری کے شروع میں واقع ہوا ہو وہ شہادت معتبر ہو سکتی ہے جن کو ان لوگوں نے بیان کیا ہو جو اصل واقعہ کے پانسو برس بعد پیدا ہوئے اور جس کی ان لوگوں نے نہ کوئی سند بیان کی ہو نہ کوئی حوالہ دیا ہو۔

ہم کو ان مصنفوں کی نسبت یہ بھی دیکھنا ہے کہ فنِ تاریخ میں ان کو کیا رتبہ حاصل ہے، کیونکہ یورپین مورخوں نے اس موقع پر بھی تدلیس سے کام لیا ہے، وہ بڑے بڑے شاندار لفظوں میں حاجی خلیفہ اور عبداللطیف کی تعریف کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اُنکی عظمت و شان کے لحاظ سے اُن کا قول ضرور تسلیم کے قابل ہے۔ یورپین مصنفوں کے اس فریب کی پردہ دری کے لیے صرف ایک مختصر سا سوال کافی ہے۔ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ عبداللطیف و حاجی خلیفہ بڑے پایہ کے مصنفین ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ کس فن میں؟ عبداللطیف بے شبہ بہت بڑا طبیب تھا طب میں اسکی متعدد تصنیفات موجود ہیں۔ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء میں اس کا مفصل تذکرہ لکھا جس سے اس کی طبی معلومات اور

عظمت وشان کا اندازہ معلوم ہوسکتا ہے۔ لیکن کیا اس کو کسی نے مورخ کہا ہے؟ کیا اس نے اپنی لائف میں کہیں فن تاریخ کا تذکرہ کیا ہے۔ اگر یہ نہیں ہے تو تاریخی واقعات میں اُس کی عظمت وشان کس کام آئے گی۔ فارابی، بوعلی سینا کے حوالہ سے اگر کوئی تاریخی واقعہ رکھا جائے تو کس حد تک اعتبار کے قابل ہوگا۔

حاجی خلیفہ نے بے شبہ کشف الظنون نہایت مفید کتاب لکھی ہے لیکن وہ کوئی تاریخ کی کتاب نہیں ہے بلکہ اسلامی تصنیفات کی فہرست ہے۔ اس کے سوا حاجی خلیفہ کا کوئی کارنامہ ہم کو معلوم نہیں۔ تاریخ میں نہ اس کی کوئی کتاب ہے نہ کسی نے اس کو مورخوں میں شمار کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے مخالفوں کے لیے یہ نہایت شرم کی جگہ ہے کہ ان کو ایک ایسے عظیم الشان واقعہ کے لیے جو بخیال اُن کے چھ مہینے تک قائم رہا۔ اسلام کی سینکڑوں ہزاروں تصنیفات میں سے کہیں کوئی سہارا ہاتھ نہ آئے۔ اور یہ مجبوری ان کو ایک طبیب اور فہرست نگار کے سایہ میں پناہ لینی پڑی۔

یہاں تک ہم نے جو بحث کی وہ اس حیثیت سے تھی کہ ہم نے مخالفین کو مدعی قرار دیا تھا کیونکہ اصول مناظرہ کی رو سے درحقیقت وہی مدعی ہیں، لیکن اس سے بڑھ کر ہم خود مدعی بنتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے حکم سے یہ کتب خانہ برباد نہیں ہوا، اور نہ کبھی مسلمانوں نے اسکو برباد کیا۔ لیکن پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جو دعویٰ نفی کی صورت میں کیا جاتا ہے اس لیے روایۃً درایۃً استدلال کا کیا طریقہ ہے، مثلاً اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ فلاں واقعہ فلاں عہد میں نہیں ہوا تو اس کی دلیل روایت کے لحاظ سے صرف یہ ہوگی کہ اس عہد کے متعلق علم و واقفیت کے جس قدر ذریعے ہیں ان سے اس واقعہ کا کہیں پتہ نہیں چلتا اور

روایت کے لحاظ سے یہ تمام قرائن اور شہادتیں اسی واقعہ کے ثبوت کے خلاف ہیں۔ انہی وجوہ و استدلال کے لحاظ سے ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ کتب خانہ اسکندریہ مسلمانوں کے ہاتھ سے ہرگز برباد نہیں ہوا۔

اسلام میں تصنیف و تالیف کی ابتدا ۱۴۲ھ سے ہوئی اور اسی زمانہ میں تاریخ کی سب سے پہلی کتاب محمد بن اسحاق نے لکھی جو آنحضرت صلعم کے حالات میں ہے۔ اس کے بعد اور مصنفین نے عام تاریخیں لکھیں جن میں خلفائے راشدین کی فتوحات و واقعات تفصیل سے مذکور ہیں۔ اس دور کی تصنیفات میں سے آج موجود ہیں یا جن کا نام و نشان معلوم ہے یہ ہیں؛

فتوح البلدان بلاذری۔ بلاذری خلیفہ متوکل باللہ کے عہد میں تھا۔ اس تاریخ میں اس نے تمام واقعات سند متصل کے ساتھ بیان کیے ہیں۔

تاریخ یعقوبی یعنی تاریخ احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب بن واضح کاتب العباسی۔ یہ مصنف نہایت قدیم مصنف ہے اور مامون الرشید کے درباریوں کا ہمعصر ہے اس نے یہ تاریخ ۲۵۹ھ تک لکھی ہے اور غالباً اس سنہ میں وہ موجود تھا۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے اور ۱۸۸۳ء میں بمقام لیڈن چھاپی گئی۔

تاریخ ابو حنیفہ دینوری لیڈن میں چھاپی گئی۔

تاریخ کبیر ابو جعفر جریر طبری۔ یہ تاریخ اگرچہ مذکورہ بالا تاریخوں سے کسی قدر زمانہ مابعد کی ہے کیونکہ اس کے مصنف نے ۳۱۰ھ مطابق ۹۲۲ء میں وفات پائی ہے۔ لیکن اس نے تمام واقعات سند متصل کے ساتھ لکھے ہیں اور ہر روایت میں تمام راویوں کے نام بیان کر دیے ہیں۔ یہ کتاب تمام ان روایتوں کا مخزن ہے جو تاریخ اسلام کے متعلق آج موجود ہیں یا کبھی موجود تھیں اور اس لحاظ سے یہ کہنا صحیح ہے کہ تین سو صدیوں کے متعلق جو معتد بہ

واقعہ اس کتاب میں نہیں ہے وہ داخل تاریخ نہیں۔ یہ ایک نہایت ضخیم کتاب ہے اور اس کی ۱۲ جلدیں ہالینڈ میں چھپ چکی ہیں اور متعدد جلدیں اور باقی ہیں۔

ابن الاثیر و ابن خلدون جن کی تاریخیں نہایت معتبر خیال کی جاتی ہیں، وہ تاریخ طبری ہی کا خلاصہ ہیں۔ اور خود ان مورخوں نے اس کا اعتراف کیا ہے ان تاریخوں کے سوا تاریخ اسلام کے متعلق اور بھی بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ لیکن قدیم واقعات کی نسبت ان سب کا ماخذ یہی چند کتابیں ہیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا، اور یہ تصریح کے طور پر خود ان کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔

ان کتابوں کے سوا مصر و اسکندریہ کے خاص حالات میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ ان میں سے جس قدر ہم دریافت کر سکے یہ ہیں:

خطط[1] مصر لابی عمر الکندی المتوفی سنہ ۲۴۶ھ۔ کشف[2] الممالک لابن شاہین المتوفی سنہ ۲۸۵ھ تاریخ[3] مصر لعبد الرحمٰن الصوفی المتوفی سنہ ۳۴۷ھ۔ تاریخ[4] مصر لمحمد بن برکات النحوی المتوفی سنہ ۵۲۰ھ اتعاظ[5] المسائل الی سنہ ۷۲۰ھ۔ تاریخ[6] مصر محمد بن عبداللہ المتوفی سنہ ۷۲۰ھ۔ تاریخ[7] مصر للمقفطی المتوفی سنہ ۶۴۶ھ۔ تاریخ[8] مصر لقطب الدین الحلبی المتوفی سنہ ۷۳۵ھ۔ تاریخ[9] مصر لیحیی المتوفی سنہ ۶۴۰ھ۔ الانتصار[10] لابن دقماق المتوفی سنہ ۸۰۰ھ۔ عقود[11] الجواہر۔ نزہتہ[12] المناظرین، الدرۃ[13] المضیئتہ، اشرف[14] الطرف، نزہتہ[15] السنیتہ۔ تفریح[16] الکوبتہ۔ السلوک[17]۔ بدائع[18] الزہور تحفۃ[19] الکرام بہ اخبار الاحرام۔ اعلام[20] مبین ولی مصر فی الاسلام۔ تاریخ[21] مصر بن وصیف جواہر[22] البحور، مختار[23] للقضاعی، النقط[24] المعجم۔ المرونقتہ[25] البیتہ۔ المواعظ[26] والاعتبار للمقریزی۔ جواہر[27] الالفاظ۔ التعاظ[28] الحنفار۔ نجوم[29] الزاہرۃ۔ تاریخ[30] مصر وابن عبد الحکم۔ اگرچہ یہ تمام کتابیں آج نہیں ملتیں، لیکن زمانہ مابعد کی متعدد تصنیفات ایسی موجود ہیں جن

میں تمام قدیم کتابوں کی روایتیں جمع کر دی گئی ہیں۔ مثلاً حسن المحاضرۃ سیوطی، جس کے دیباچہ میں خود سیوطی نے لکھا ہے کہ میں نے اٹھائیس تاریخیں دیکھیں اور اُن سے یہ کتاب تیار کی، سب سے مفصل اور بسیط مواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار ہے جو مقریزی کی تصنیف ہے اور جس میں مصر و اسکندریہ کے متعلق ایک ایک جزئی واقعہ کا استقصا کیا گیا ہے۔

یہ تمام معتبر کتابیں جن کا ذکر اوپر ہوا، اور جن کے سوا اس زمانہ کے حالات دریافت کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ ان میں سے کسی کتاب میں واقعہ مبحوث فیہ کا مطلق پتہ نہیں چلتا، ان کتابوں میں اور خصوصاً طبری و فتوح البلدان بلاذری و حسن المحاضرہ و خطط والآثار للمقریزی ہیں۔ اسکندریہ کی فتح کے نہایت تفصیلی حالات مذکور ہیں لیکن کتب خانہ کا ذکر تک نہیں۔

یہ کتابیں تو وہ ہیں جن میں اس واقعہ کو (اگر وہ واقع ہوتا) مستقل طور پر مذکور ہونا چاہیئے تھا لیکن تصنیفات میں ضمنی اور اتفاقی طور پر اس کا تذکرہ آ سکتا تھا ان میں بھی واقعہ مفروضہ کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ مثلاً حکما اور طبیبوں کے حالات میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں، اور جن میں یحییٰ نحوی کا ذکر عموماً کیا گیا ہے۔ چنانچہ ابوالفرج نے یہ فرضی قصہ جو گھڑا تو اسی یحییٰ نحوی کے تذکرہ میں گھڑا اور یوں بیان کیا کہ یحییٰ نے عمرو بن العاص سے کتب خانہ کے لیے درخواست کی تھی جس کے جواب میں عمرؓ نے حضرت عمرؓ کے حکم سے کتب خانہ کے جلا دینے کا حکم دیا۔ یحییٰ طبیب اور فلاسفر تھا اور عربی زبان میں اس کی تمام کتابیں ترجمہ کی گئیں۔ اس لیے عربی تاریخیں جو حکما اور اطبا کے حالات میں ہیں۔ ان میں یحییٰ کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے۔ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطبا اور ابن الندیم نے

کتاب الفہرست میں یحییٰ کے تمام حالات و واقعات اور اسکی تصنیفات کے نام لکھے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ وہ عمرو بن العاصؓ کے پاس حاضر ہوا، اور عمرو نے اس کی بہت کچھ عزت کی۔ ابن الندیم کے خاص الفاظ یہ ہیں:

ولما فتحت مصر علی ید عمرو ابن العاص دخل الیه واکرمه ورای له موضعا

یعنی جب مصر عمرو بن العاصؓ کے ہاتھ سے فتح ہوا تو یحییٰ عمرو کی خدمت میں حاضر ہوا عمرو نے اسکی عزت و تکریم کی۔

ان تمام تصریحات کے ساتھ کتب خانہ کا کہیں ذکر نہیں، جس سے علانیہ اس واقعہ کا بالکل بے اصل ہونا پایا جاتا ہے۔

ان تصنیفات کے علاوہ اور قسم کی تصنیفات مثلاً جغرافیوں، سفرناموں، بیوگرفیوں میں اس واقعہ کا ذکر ضمناً آسکتا تھا۔ لیکن ان کتابوں میں اس کا نام و نشان تک نہیں۔ سچ یہ ہے کہ اگر یہ دعویٰ کیا جائے تو بالکل سچ ہے کہ عبداللطیف کی عبارت کے سوا جس کی حقیقت ہم اوپر بیان کر چکے، کُل اسلام کا لٹریچر اس واقعہ کے ذکر سے خالی ہے۔ اس سے زیادہ اس واقعہ کے بے اصل ہونے کی کیا دلیل ہوگی؟

اس سے بڑھ کر یہ کہ خود عیسائی قدیم تاریخوں میں اس کا پتہ نہیں یوٹیکس المتوفی ۹۴۰ء جو دسویں صدی عیسوی میں اسکندریہ کا بطریق تھا۔ اس نے اسکندریہ کی فتح کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ اسی طرح المکین جو واقعہ مفروضہ کے تین سو برس بعد تھا۔ یعنی ابوالفرج سے دو سو برس پہلے نے تاریخ مصر خود مصر میں رہ کر لکھی اور اسکندریہ کی فتح کے حالات نہایت تفصیل سے لکھے لیکن ان دونوں کتابوں میں واقعہ مفروضہ کے متعلق ایک حرف بھی مذکور نہیں۔ یہ دونوں مصنف متعصب

عیسائی تھے، جن کی نسبت مسلمانوں کے ساتھ کسی قسم کی بے جا طرفداری کا گمان نہیں ہوسکتا۔ اس کے ساتھ محقق اور علم دوست تھے اور اُن کی نگاہ میں اتنے بڑے علمی سرمایہ کا ضائع ہونا کوئی معمولی بات نہیں ہوسکتی تھی۔ مصر کے قیام اور ذاتی شوق کی وجہ سے مصر کے حالات کے متعلق ان کے وسائل معلومات نہایت وسیع تھے۔ ان باتوں کے ساتھ ان دونوں مورخوں کا واقعہ بحث قید کے متعلق ایک حرف نہ لکھنا صریح اس بات کی دلیل ہے کہ اسکی کچھ اصل نہیں۔ چنانچہ انصاف پسند یورپین مصنفوں مثلاً گبن۔ کریل نے اس واقعہ کے بے اصل ہونے کے لیے عموماً اس سے استدلال کیا ہے۔

اس واقعہ کے بے اصل ہونے کی ایک نہایت قوی دلیل یہ ہے کہ جس کتب خانہ کا جلایا جانا بیان کیا جاتا ہے، وہ اسلام کے دور سے پہلے ہی برباد ہوچکا تھا، اسکی حقیقت یہ ہے کہ یہ کتب خانہ شاہانِ مصر نے جوبت پرست اور بہت سے خداؤں کے ماننے والے تھے، قائم کیا تھا۔ جب مصر میں عیسائیت کا دورہ ہُوا تو عیسائی بادشاہوں نے تعصب مذہبی کی وجہ سے ان کتابوں کی بربادی شروع کی اور ان کے اس ارادہ کو پادریوں نے اور بھی اشتعال دیا۔

چنانچہ یورپ کے بڑے بڑے نامور مصنفوں اور مورخوں کو تسلیم کرنا پڑا کہ یہ کتب خانہ اسلام سے پہلے برباد ہوچکا تھا۔ موسیو رینان جو فرانس کا ایک مشہور عالم ہے اس نے ایک دفعہ یونیورسٹی میں اس عنوان پر لکچر دیا تھا۔ اسلام اور علم۔ یہ لکچر ایک رسالہ کی صورت میں بمقام پیرس ۱۸۸۳ء میں چھپا ہے۔ اگرچہ لکچر مسلمانوں کے برخلاف نہایت تعصب آمیز تھا یعنی اس میں نہایت شدومد سے یہ ثابت کیا تھا کہ اسلام اور علم

کبھی جمع نہیں ہوسکتے۔ تاہم اس متعصب شخص نے کتب خانہ اسکندریہ کے متعلق یہ الفاظ کہے۔ "اگرچہ یہ بار بار کہا گیا ہے کہ عمرؓ نے کتب خانہ اسکندریہ کو برباد کرادیا۔ لیکن یہ صحیح نہیں، کتب خانہ مذکور اس زمانہ سے پہلے ہی برباد ہوچکا تھا۔"

اس کتب خانہ کی تفصیلی کیفیت مسٹر کریل نے اپنے مضمون میں لکھی ہے اور اس کے عہد بعہد کی بربادی کا ذکر نہایت تفصیل سے کیا ہے لیکن چونکہ مسٹر کریل کا مضمون ہمارے رسالہ کے اخیر میں بطور ضمیمہ شامل ہے، اس لیے ہم اُس کو یہاں نقل نہیں کرتے۔ اس کتب خانہ کا برباد ہونا ایسا یقینی امر ہے جس سے وہ یورپین مورخین بھی انکار نہیں کرسکے جو اس واقعہ کے اثبات کے درپے ہیں۔ مسٹر ڈریپر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ جولیس سیزر نے نصف سے زیادہ کتابیں جلادی تھیں، اور اسکندریہ کے بطریقوں نے نہ صرف قریباً کل باقی کتابوں کے منتشر ہونے کی اجازت دی بلکہ اپنی نگرانی میں ان کو منتشر کرایا، اور ویس صاف بیان کرتا ہے کہ بیس سال بعد اس واقعہ کے تھیوفلس نے شہنشاہ تھیوڈوسس سے تحریری اجازت کتب خانہ مذکور کی بربادی حاصل کی تھی۔ میں نے اس کی الماریاں اور خانے خالی دیکھے۔"

چونکہ اس کتب خانہ کی بربادی یقینی امر تھا اس لیے مخالفوں نے ایک اور فریب سے کام لیا یعنی یہ دعویٰ کیا کہ عمروؓ نے جو کتب خانہ تباہ کیا وہ شاہی کتب خانہ نہ تھا بلکہ سراپیم کا کتب خانہ تھا۔ چنانچہ اسکیڈیٹر کے مضمون نگار نے ابوالفرج کی حمایت میں سراپیم کے کتب خانہ کا حوالہ دیا ہے لیکن یہ توجیہ القول بما لا یرضیٰ بہ قائلہ کا مصداق ہے کیونکہ ابوالفرج نے اپنی تاریخ میں جہاں یہ لکھا ہے کہ یحییٰ نحوی نے عمرو بن العاصؓ سے کتابوں کے لیے درخواست کی وہاں صاف یہ الفاظ لکھے ہیں :-

کتب الحکمہ اللتی فی خزائن الملوکیۃ "یعنی فلسفہ کی وہ کتابیں جو شاہی خزانوں (کتب خانوں) میں ہیں"۔ لیکن اگر یہ تسلیم بھی کرلیں کہ یہ حکایت سراپیم کے کتب خانہ کی نسبت ہے۔ تاہم ہمارے مخالفوں کو یہ ثابت کرنا مشکل ہوگا کہ سراپیم کا کتب خانہ فتح اسکندریہ کے وقت موجود تھا۔ بلکہ برخلاف اس کے یہ ثابت ہوگا کہ کتب خانہ مذکور کل یا کل کے قریب پہلے ہی برباد ہوچکا تھا۔

مسٹر کریل لکھتے ہیں کہ سراپیم اور اس کے کتب خانہ کا حال اس وقت تک تاریکی میں پڑا ہوا ہے، یہ تو معلوم ہے کہ سراپیم کا معبد جس سے یہ کتب خانہ متعلق تھا تھیوڈوسیس کے عہد میں ۳۸۹ء میں گرجا بنادیا گیا تھا لیکن یہ امر کہ آیا اس تباہی کے وقت وہ کتب خانہ وہاں موجود تھا یا ضائع ہوگیا تھا یا یہ کتابیں قسطنطنیہ منتقل ہوگئی تھیں مطلق ثابت نہیں ہوتا۔ میرا اخیر خیال یعنی کتابوں کا قسطنطنیہ کو جانا زیادہ قرین قیاس ہے، کیونکہ تھیوڈوسیس ثانی نے جو کتب خانہ پانچویں صدی میں بمقام قسطنطنیہ قائم کیا وہ زیادہ تر مصر و ایشیائے کوچک کی کتابوں سے تیار ہوا تھا۔

موسیو سوریٹو فرانسیسی نے یہ تسلیم کرکے کہ کتب خانہ مبحث فیہ سراپیم میں تھا لکھا ہے کہ کسی ہمعصر مورخ نے اس واقعہ (یعنی عمرو بن العاصؓ کا کتب خانہ کو برباد کرنا) بیان نہیں کیا لیکن اگر وہ صحیح بھی ہو تاہم وہ صرف معدودے چند کتابوں سے متعلق ہوگا کیونکہ اس کتب خانہ کے حصے سنہ ۲۹۰ء میں سیزر کے عہد میں اور تھیوڈوسیس کے عہد میں برباد ہوچکے تھے۔

اب ہم اصول درایت کے معیار سے اس واقعہ کی صحت و عدم صحت کا اندازہ کرنا چاہتے ہیں۔ واقعہ مذکور کو ابوالفرج (جو اس فرضی قصہ کا موجد اول ہے) نے جن خصوصیتوں کے ساتھ بیان کیا ہے وہ تو اس قدر لغو ہیں کہ عموماً تمام یورپین مورخین موافق ہوں، مخالف

اس کو افسانہ باطل سمجھتے ہیں۔ پروفیسر ڈسا ئیسی جنھوں نے بڑے زور و شور سے اس واقعہ کو ثابت کرنا چاہا ہے تسلیم کیا ہے کہ ابو الفرج کے بیان میں جو تفصیلیں ہیں صحیح نہیں۔ برٹش انسائیکلوپیڈیا کے لکھنے والوں نے بھی اس کی ہنسی اڑائی ہے اور درحقیقت ایک کتب خانہ کا حماموں میں (جن کی تعداد چار ہزار تھی) تقسیم کیا جانا اور چھ مہینوں تک کتابوں کا جلتے رہنا اور ایندھن کے کام آنا افسانہ کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے ؟ الفرج نے اگرچہ مصر کے تمام حماموں کی تعداد نہیں بتائی لیکن یہ صحیح طور پر معلوم ہے کہ وہ چار ہزار صرف تھے ، اس لیے حمام ہائے مصر اور چار ہزار کی تعداد کو لازم و ملزوم سمجھنا چاہیے۔ جیسا کہ اکثر یورپین مورخوں نے سمجھا ہے اب اگر دیکھا جائے کہ اربعہ متناسبہ کی رو سے فی حمام ہر روز کیا تعداد پڑتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر روز فی حمام ایک کتاب کا بھی پڑتا نہیں پڑتا بلکہ نصف کتاب سے متجاوز نہیں ہوتا ، یا حمام ایسے مختصر تھے کہ ایک دن کے لیے ایک کتاب بلکہ نصف کتاب کافی ہوئی تھی یا کتابیں اس قدر ضخیم تھیں کہ ایک کتاب کا آدھا حصہ حمام کے لیے سارے دن ایندھن کا کام دے سکتا تھا۔

یہ بھی مسلم ہے کہ اس زمانہ میں کتابیں چمڑے کے کاغذ پر لکھی جاتی تھیں جو ایندھن کا کام نہیں دے سکتا تھا۔ اس لیے کتابوں کا اس کام کے لیے استعمال کرنا اور بھی بیہودہ معلوم ہوتا ہے۔ ڈریپر صاحب لکھتے ہیں کہ "ہم کو یقین ہے کہ اسکندریہ کے حمام والے جب تک کوئی اور شے جلانے کے لیے پا سکتے تھے انھوں نے چمڑے کا کاغذ (جس پر کتابیں لکھی تھیں) نہیں جلایا ہوگا اور ان کتابوں کا بہت بڑا حصہ چمڑے ہی کے کاغذ کا بنا ہوا تھا۔"

اس قصہ کے گھڑنے والوں نے یہ قصہ مسلمانوں کے بدنام کرنے کے لیے گھڑا لیکن ان کو یہ خیال نہ آیا کہ اس کی وجہ سے مسلمانوں سے زیادہ عیسائی موجبِ الزام ٹھیرتے ہیں۔ عمرو بن العاصؓ نے بفرضِ محال اس قدر کیا کہ کتابیں حماموں میں بھجوا دیں لیکن حمام والے جس قدر تھے عیسائی تھے، وہ کتابوں کو بچا سکتے تھے اور بجائے اُس کے اور ایندھن سے کام لے سکتے تھے۔ عمرو بن العاصؓ نے اس کے بعد اسکندریہ میں چھ مہینے تک قیام بھی نہیں کیا تھا کہ اُن کی باز پرس کا ڈر ہوتا۔

اگرچہ یہ سرسری اور عام فہم قیاسات واقعہ مفروضہ کے ابطال کے لیے کافی ہیں لیکن زیادہ تدقیقات سے اور بھی اس کی رہی سہی قلعی کھل جاتی ہے۔ اس واقعہ کو اگر ہم روایت کی نگاہ سے دیکھنا چاہیں تو ہم کو ان امور کا لحاظ کرنا ہوگا۔ اسکندریہ پر کس طرح اور کس شرائط کے ساتھ قبضہ کیا گیا؟ اس حیثیت سے اور ممالک جو فتح ہوئے وہاں کیا برتاؤ ہوا؟ اس قسم کے موقعوں میں حضرت عمرؓ کا عموماً طرزِ عمل کیا تھا؟ عمرو بن العاصؓ کا ذاتی میلان اور مذاقِ طبیعت کیا تھا؟ اسکندریہ کے علمی خزانوں کے آثار اسلام میں ملتے ہیں یا نہیں؟ ان میں ہر سوال کا جواب اس بحث کا کم و بیش فیصلہ کر سکتا ہے۔

یہ امر تمام صحیح تاریخوں سے ثابت ہے کہ اسکندریہ فتح ہونے کے بعد ذمیانہ عہد میں داخل ہو گیا یعنی وہاں کی تمام رعایا ذمّی قرار دی گئی۔ فتوح البلدان بلاذری میں جو نہایت قدیم تصنیف ہے اور جس کا مصنف تمام واقعات اپنی سند و روایت سے بیان کرتا ہے لکھا ہے:

یعنی عمرو نے اسکندریہ کو تلوار سے فتح کیا اور	ان عمرو افتتحها بالسیف و

غنم ما فیہا و ابقیٰ اہلہا و لم تقتل و لم یسب و جعلہم ذمۃ

غنیمت لوٹی اور وہاں کے لوگوں کو باقی رکھا اور قتل و قید نہیں کیا اور لوگوں کو ذمی قرار دیا۔

یہی الفاظ ابن الاثیر و ابن خلدون وغیرہ میں بھی ہیں۔

ذمیوں کے جو حقوق قرار دیے گئے تھے ان میں سب سے مقدم یہ تھا کہ اُنکی جانی و مالی نقد، اسباب، مویشی، مکانات وغیرہ سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا جائے گا۔ فارس و شام کی فتوحات میں جو تحریری معاہدے ذمیوں سے ہوئے وہ تمام تاریخوں میں منقول ہیں اور سب میں اس حق کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ خود مصر کے معاہدے کے یہ الفاظ ہیں:

ھذا ما اعطی عمرو بن العاص اہل مصر من الامان علی انفسہم و اموالہم وعمہم ومدہم وعدہم

یعنی عمرو بن العاص نے اہل مصر کو اُن کی جان، خون، مال، صاع، مد کو امان عطا کی۔

معجم البلدان میں ایک اور صحیح روایت سے نقل کیا ہے کہ معاہدے میں یہ الفاظ یا مضمون داخل تھا:

وَ اِنَّ لَہُمْ اَرْضَہُمْ وَ اَمْوَالَہُمْ لَا یَتَعَرَّضُوْنَ فِی

یعنی اُنکی زمین اور مال اُنہی کا رہے گا اور ان میں سے کسی چیز میں تعرض نہ کیا جائے گا۔

اہل ذمہ کے ساتھ حضرت عمرؓ کا جو طرزِ عمل تھا اُسکی پوری تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے لیکن اجمالاً اس قدر کہنا ضروری ہے کہ اُنھوں نے ذمیوں کی جان و مال کو ہمیشہ مسلمانوں کی جانی و مال کے برابر سمجھا۔ شہر حیرہ میں ایک مسلمان نے ذمی کو قتل کر ڈالا اسکے بدلے

مسلمانوں کے قتل کا حکم دیا اور اس حکم کی علانیہ تعمیل کرائی۔ مفلس ذمیوں کے لیے بیت المال سے روزانے مقرر کیے۔ فارس و شام کی تمام فتوحات میں گرجے اور معبد محفوظ رکھے۔ اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ مرنے کے وقت جو تین وصیتیں کیں ان میں ایک یہ تھی:

اُوصِی الْخَلِیْفَةَ مِنْ بَعْدِیْ بِذِمَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یُوْفِیَ لَهُمْ بِعَهْدِهِمْ وَاَنْ یُقَاتِلَ مِنْ وَّرَآئِهِمْ وَلَا یُکَلِّفُوْا فَوْقَ طَاقَتِهِمْ	میرے بعد جو خلیفہ ہوگا اُس کے لیے میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذمہ پر وصیت کرتا ہوں کہ ذمیوں کے معاہدوں کو بجا لائے اور اُنکی حفاظت کیلئے اُنکے دشمنوں سے لڑے اور اُنکو طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔

یورپ کے متعصب مصنفین اگرچہ حضرت عمرؓ کی شدت و جبروت کے شاکی ہیں لیکن اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ جس وقت جو کچھ ان کی زبان و قلم سے نکلا وہ اسی طرح برتاؤ کیا گیا۔ متعصب سے متعصب مورخین عیسائی اُن کی تمام زندگی کا ایک واقعہ بھی نہ بتا سکے جس میں ان کا عمل قول کے مخالف تھا۔

جب یہ مسلّم ہے کہ سکندریہ والے ذمی قرار دیے گئے اور ذمیوں کے ساتھ جو کچھ حضرت عمرؓ کا طرزِ عمل تھا وہ تفصیلاً معلوم ہے تو کیونکر ممکن ہے کہ اسکندریہ والوں کی ایک بڑی یادگار (کتب خانہ) کو اس بے رحمی سے برباد کیا جاتا؟ کیا یہ کتب خانہ مسلمانوں کو گرجاؤں اور آتشکدوں سے زیادہ ناگوار ہو سکتا تھا؟ تمام ممالک مفتوحہ میں جب سینکڑوں ہزاروں گرجے اور آتشکدے قائم رکھے گئے، ان کی حفاظت کے لیے تمام فرامین میں یہ خاص الفاظ لکھے گئے:

لَا يَهْدَمُ لَهُمْ بَيْعَةٌ وَلَا كَنِيسَةٌ دَاخِلَ الْمَدِينَةِ وَلَا خَارِجِهَا	یعنی کوئی گرجا اور عبادت گاہ ڈھایا نہ جائیگا نہ شہر کے اندر اور نہ باہر۔

تو کتب خانہ کی نسبت ایسا ظالمانہ برتاؤ کیونکر قیاس میں آسکتا ہے۔

سچ یہ ہے کہ ابو الفرج کو (جو اس فرضی قصہ کا موجد ہے) جھوٹ بولنا بھی نہیں آتا تھا، وہ اگر اس واقعہ کو عین محاصرہ اور فتح کی حالت میں بیان کرتا تو قیاس میں آسکتا تھا۔ کیونکہ حملہ آور کے مقابلہ کا جوش کسی چیز کی پروا نہیں کرتا لیکن یہ تسلیم کر کے کہ شہر کو امن دے دیا گیا، اہل شہر ذمی قرار دے دیے گئے۔ حملہ آور کا معرکہ آرائی کا جوش تھم چکا۔ اس وقت ایسا ظالمانہ عمل صرف ابو الفرج ہی کے قیاس میں جائز ہو سکتا ہے۔

پروفیسر سیدیو نے اسی بنا پر ابو الفرج کے بیان کو ناقابل اعتبار سمجھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "جب یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ فتح کے پہلے حملہ میں شہر غارت نہیں کیا گیا تو یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ ایسے وحشیانہ کام کا اُس وقت حکم دیا گیا ہو جبکہ فاتحین کا خون ٹھنڈا ہو چکا تھا۔"

عمروؓ بن العاص کی قابلیت اور مذاق کا خود ابو الفرج نے اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ وہ یحییٰ نحوی کے تذکرہ میں لکھتا ہے کہ:

دخل علی عمرو وقد عرف موضعه من العلوم ناکرمه عمرو وسمع من الفاظ الفلسفیه التی لم تکن للعرب بها انسة ماهاله وکان عمرو عاقلا حسن الاستماع صحیح الفکر فلازمه وکان لا یفارقه	یعنی وہ (یحییٰ نحوی) عمرو کے پاس حاضر ہوا عمروؓ نے اُس کے علمی مرتبہ سے واقف ہو کر اس کی عزت کی۔ عمرو نے اُسکے وہ فلسفیانہ الفاظ سُنے جس سے عرب کبھی مانوس نہ تھے اس لیے وہ اس پر مفتون ہو گیا اور عمرو عاقل، خوش فہم صحیح الفکر شخص تھا اس لیے اس نے یحییٰ نحوی کی صحبت کو لازم پکڑ لیا اور اُسکو کبھی جدا نہیں کرتا تھا۔

اب خیال کرو کہ ایسا قابل اور علم دوست شخص جس نے باوجود مذہبی جوش کے ایک عیسائی عالم کو اپنا رفیق و ہمدم بنالیا ہو اس کے ساتھ اُسکو علمی مباحث بلکہ فلسفہ کا چسکا پڑ چکا ہو وہ اس بے رحمی سے مدت تک کتب خانہ کو برباد کراتا جو ایک جاہل سے جاہل شخص بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مانا کہ وہ خود مختار تھے لیکن حضرت عمرؓ کو جو خط لکھا تھا اُس میں کتب خانہ کے لیے سفارش تو کر سکتے تھے۔ عمروؓ نے بہت سے کاموں میں اکثر زور ڈال کر حضرت عمرؓ سے اجازت حاصل کی تھی۔ مصر و اسکندریہ پر لشکر کشی کے لیے حضرت عمرؓ کسی طرح راضی نہ ہوتے تھے۔ عمروؓ نے اُن کو مجبور کیا اور ذمہ داری لی کہ اس کا فتح کرنا کچھ مشکل نہیں۔ اس وقت حضرت عمرؓ نے اجازت دی، بلکہ علامہ بلاذری (جو نہایت مشہور اور مستند مورخ ہے) کی روایت کے مطابق عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ کی اجازت کا بھی انتظار نہ کیا اور مصر کو روانہ ہو گئے اور یہ تو عموماً مسلّم ہے کہ مصر و اسکندریہ کی فتح جس شرط پر ہوئی اور معاہدہ میں جو شرطیں قلمبند ہوئیں وہ بالکل عمروؓ نے اپنی رائے سے لکھیں۔ حضرت عمرؓ کو اسکی اطلاع البتہ دی اور اُنھوں نے اسکو منظور کر لیا۔ کیا کتب خانہ کی نسبت عمرو بن العاصؓ ایسا نہیں کر سکتے تھے؟

اس سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ عمرو بن العاص نے اسکندریہ کی فتح کے بعد دربارِ خلافت میں جو خط بھیجا اس میں ایک ایک چیز کی تفصیل کی ہے۔ چنانچہ فتح کے ذکر کے بعد لکھا ہے کہ "اس شہر میں چار ہزار حمام، چار ہزار قصر، چالیس ہزار خراج گذار یہودی، چار سو شاہی سیر گاہیں، بارہ ہزار باغ جن کی ترکاری بکتی ہے موجود ہیں لیکن ان تفصیلوں میں ہم کو اپنے دوست ابوالفرج کے فرضی کتب خانہ کا کہیں پتہ نہیں ملتا۔

تمام واقعات تاریخی پر غور کرنے سے حقیقت واقعہ یہ معلوم ہوئی کہ اسکندریہ میں

جس قدر قدیم کتب خانے تھے اسلام کے زمانہ سے پہلے ہی برباد ہو گئے تھے۔ جس کے اسباب و اتفاقات مورخوں نے بہ تفصیل لکھے ہیں لیکن ان آفتوں پر بھی علمی آثار بالکل معدوم نہیں ہو گئے تھے اور ایک ایسے شہر میں جو سینکڑوں برس تک دار العلوم رہ چکا تھا علمی یادگاروں کا یک لخت معدوم ہو جانا ممکن بھی نہ تھا۔ چنانچہ زمانہ اسلام سے کسی قدر پہلے اسکندریہ میں سات نہایت مشہور طبیب اور فلاسفر موجود تھے جن کے نام یہ ہیں: اسطفن[1]، جاسیوس[2]، ثاودوسیوس[3]، اکیلاوس[4]، انفیلاوس[5]، مللاویوس[6] یحییٰ نحوی[7]۔ ان سب میں یحییٰ نحوی نے زیادہ عمر پائی اور عمرو بن العاص[رض] کے زمانہ تک زندہ رہا۔ اسکندریہ کے کتب خانے تو بہت پہلے برباد ہو چکے تھے لیکن اخیر زمانہ میں جو علمی سرمایہ مہیا ہوا تھا وہ اسلام کی فتح کے وقت موجود تھا اور زمانہ مابعد تک بھی باقی رہا چنانچہ دولت عباسیہ کے زمانہ میں جب علمی یادگاروں کی تلاش ہوئی تو اسکندریہ سے متعدد یہ ذخیرہ ہاتھ آیا۔ ہارون الرشید و مامون الرشید و متوکل باللہ کے عمال جو شام و فلسطین، ایشیائے کوچک، سائپرس میں فلسفی اور طبی تصنیفات ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ اسی غرض سے اسکندریہ بھی گئے تھے اور بہت سی کتابیں حاصل کیں۔ حنین بن اسحق نے لکھا ہے کہ جالینوس کی کتاب برہان کی تلاش میں میں جزیرہ و شام، فلسطین، مصر کے تمام شہروں میں پھرا، یہاں تک کہ اسکندریہ پہنچا لیکن کتاب مذکور کا کہیں پتہ نہ چلا صرف دمشق میں اس کے چند حصے وہ بھی بے ترتیب ملے۔ حنین کو اگرچہ اس کتاب کے ملنے میں اس وجہ سے ناکامی ہوئی کہ قدیم کتب خانے اسلام سے پہلے ہی برباد ہو چکے تھے لیکن زمانہ مابعد کی تصنیفات جو شروع اسلام تک محفوظ تھیں قریباً کل ہاتھ آئیں۔ جن سات حکیموں کا اوپر ذکر ہوا اُن کی تمام تصنیفات

محفوظ ہیں، اور عربی زبان میں ان کے ترجمے کیے گئے۔ یحییٰ نحوی کی کتابوں کے ساتھ اعتنا کیا گیا۔ چنانچہ اس کی جس قدر کتابیں عربی زبان میں ترجمہ کی گئیں اُن میں سے چند یہ ہیں:

تفسیر کتاب[1] قاطیغوریاس لارسطو۔ تفسیر کتاب[2] انالوطیقاے الاولی لارسطو۔ تفسیر کتاب[3] انالوطیقاے الثانی لارسطو۔ تفسیر کتاب[4] طوبیقا لارسطو۔ تفسیر کتاب[5] السماع الطبیعی لارسطو۔ تفسیر کتاب[6] الکون والفساد لارسطو۔ تفسیر کتاب[7] مایال لارسطو۔ تفسیر کتاب[8] الفرق لجالینوس۔ تفسیر کتاب[9] الصناعۃ لجالینوس۔ تفسیر کتاب[10] النبض الصغیر لجالینوس۔ تفسیر کتاب[11] اغلوقن لجالینوس۔ تفسیر کتاب[12] الاسطقسات لجالینوس۔ تفسیر کتاب[13] القوی الطبیعۃ لجالینوس۔ تفسیر کتاب[14] التشریح الصغیر لجالینوس۔ تفسیر کتاب[15] العلل والاعراض لجالینوس۔ تفسیر کتاب[16] علل الاعضاء الباطنۃ لجالینوس۔ تفسیر کتاب[17] النبض الکبیر لجالینوس۔ تفسیر کتاب[18] الحمیات لجالینوس۔ تفسیر کتاب[19] البحران لجالینوس۔ تفسیر کتاب[20] ایام البحران لجالینوس۔ تفسیر کتاب[21] منافع الاعضاء لجالینوس۔ تفسیر کتاب[22] تدبیر الاسمار لجالینوس۔ تفسیر کتاب[23] المزاج لجالینوس۔ جوامع کتاب[24] التریاق لجالینوس۔ جوامع کتاب[25] القصد لجالینوس۔ کتاب[26] الرد علی برقلس۔ کتاب[27] فی ان کل جسم متناہ ہنیہ۔ کتاب[28] الرد علی ارسطو۔ کتاب[29] الرد علی نسطورس۔ شرح کتاب[30] الیساغوجی لفرفوریوس۔ ان کے سوا اور بھی کتابیں جن کی تفصیل طبقات الاطباء و کتاب الفہرست لابن الندیم میں ملتی ہے۔ اگر اسکندریہ کا کتب خانہ عمرو بن العاصؓ کے زمانہ میں برباد ہوا ہوتا تو سب سے پہلے

یحییٰ نحوی کی تصنیفات برباد ہونی چاہیئے تھیں، جو عمرو بن العاصؓ کا ہم عصر اور بقول ابوالفرج کے کتب خانۂ مذکور کا مہتمم تھا۔

غرض مصر و اسکندریہ وغیرہ میں اسلام کے زمانہ تک جو سرمایہ محفوظ رہ گیا تھا وہ ہرگز ضائع نہیں ہونے پایا۔ البتہ جو کچھ اسلام سے پہلے تلف ہو چکا تھا اس کو وہ دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا تھا۔ ہم کو تاریخوں سے اس بات کا بھی پتہ لگتا ہے کہ نہایت قدیم زمانہ کی بھی کوئی چیز اگر زمانۂ اسلام تک کسی وجہ سے محفوظ رہ گئی تو وہ ہرگز برباد نہیں ہونے پائی۔ بلکہ زمانۂ مابعد میں نہایت قدردانی کے ساتھ یادگار کے طور پر اس کو محفوظ رکھا گیا۔ ابن الصندی نے جو مصر کا رہنے والا اور علم اصطرلاب کا بڑا ماہر تھا لکھا ہے کہ "وزیر ابوالقاسم علی بن احمد الجرجانی نے ۴۳۵ھ ہجری میں قاہرہ کے کتب خانہ کا جائزہ لیا اور قاضی ابو عبداللہ القضاعی و ابن خلق وراق کو حکم دیا کہ کتابوں کی فہرست تیار کریں اور جلدیں جو خراب ہو گئی ہیں ان کی مرمت کرائیں۔ میں بھی ان دونوں بزرگوں کے ساتھ اس غرض سے وہاں گیا کہ اپنے مذاق کی کتابوں کی سیر کروں۔ چنانچہ صرف نجوم و ہندسہ و فلسفہ کے متعلق جو اجزا تھے اُن کی تعداد چھ ہزار پانچ سو تھی۔ یہیں میں نے تانبے کا کرہ دیکھا جو بطلیموس کے ہاتھ کا بنا ہوا تھا۔ میں نے اس کی قدامت کا اندازہ کرنا چاہا تو حساب سے ثابت ہوا کہ دو ہزار پچاس برس کی مدت کا ہے۔ یہیں مجھ کو ایک اور کرہ ملا جو چاندی کا تھا اور جس کو ابوالحسن صوفی نے عضدالدولہ کے لیے بنایا تھا، اس کا وزن تین ہزار درہم تھا اور تین ہزار دینار (پندرہ ہزار روپے) کو خریدا گیا تھا۔

اگرچہ ہم نے اس بحث کو مجتہدانہ اصول کے ساتھ طے کر دیا ہے اور اس وجہ سے

ہم کو اس کی کچھ پروا نہیں کہ یورپ کے مورخین ہمارے ہم زبان ہیں یا نہیں تاہم تقلید پسندوں اور بالخصوص اُن لوگوں کی تسلی کے لیے جن کو یورپ کے ساتھ نہایت حسن عقیدت ہے یہ کہہ دینا ضرور ہے کہ واقعہ مفروضہ گو ایک زمانے میں تسلیم کیا جاتا تھا، لیکن جس قدر تاریخی تحقیقات کو ترقی ہوتی گئی، اسی نسبت سے اسکی تصدیق کا زور گھٹتا گیا، یہاں تک کہ حال کے مصنفین میں زیادہ تر انہی لوگوں کی تعداد ہے جو اس کو غلط اور مشکوک واقعہ قرار دیتے ہیں۔ آج تک اس قدر ہوا ہے۔ وہ دن بھی آئے جب زیادہ غور اور تحقیق کے بعد تمام یورپ متفق ہو کر علانیہ کہدے کہ

ہم الزام اُن کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

منشی رحمت اللہ خوش نویس وزیر آبادی
1.12.68